بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماہ مارچ 2021

جمع و ترتیب

مسعود اعجازی اورنگ آبادی ممبر پاسبان علم وادب

نام کتابچہ	:	پاسبانی تراشے
جمع و ترتیب	:	مسعود اعجازؔی اورنگ آبادی
صفحات	:	ایک سو تیس (130)
اشاعت	:	ماہ مارچ 2021
ترتیب و تزئین	:	مسعود اعجازؔی اورنگ آبادی
موبائل نمبر	:	(+91) 7387127358

پاسبانی تراشے سے استفادہ کے لیے

واٹسپ ← https://chat.whatsapp.com/K1BxridG9f84GdxxaxgB63

بیپ ← https://channels.bip.ai/join/5739c78df2ea445fae1eded379f8bf78

ٹیلگرام ← https://t.me/PasbaniTrashemmejazi

فہرست مضامین

شمار نمبر	مضمون	مضمون نگار	صفحہ نمبر
1	نعت پاک ﷺ	مولانا حفظ الرحمن اعظمی قاسمی	6
2	حرفے چند	مسعود اعجازی اورنگ آبادی	7
3	پیر صاحب کی کرامتیں	مولانا شفیق قاسمی اعظمی	8
4	شبِ برأت کی فضیلت	مولانا عبید اللہ شمیم قاسمی	9
5	تبلیغی جماعت کے اصلاح طلب امور	مولانا صادق قاسمی خیرابادی	18
6	حضرت عائشہ کی عمر بوقتِ رخصتی	مفتی عبید اللہ قاسمی دہلی	19
7	مصارف زکوٰۃ	مولانا ولی اللہ مجید قاسمی	23
8	اسلامی تجارت وقت کی ضرورت	مفتی محمد اجوداللہ پھولپوری	37
9	اذان	مولانا محمد صابر القاسمی	40

نعت پاک ﷺ

بقلم :- مولانا حفظ الرحمن اعظمی قاسمی

تا عمر رہے گا ______ وہی بیمار مدینہ
جو دیکھ لے اک بار بھی گلزار مدینہ

یاقوت و زمرد مری آنکھوں کا کنایہ
ہوجائے اگر مجھ کو جو دیدار مدینہ

دہلیز نبی کی ہے __ الگ شان لوگو!
شاہان جہاں ہوتے ہیں __ نادار مدینہ

اس بخت سیہ کار پہ اک نظر کرم ہو
سرکار مدینہ ______ مرے سرکار مدینہ

آئیں مری قسمت میں وہ لمحے بھی خدایا
جب دیکھوں نگاہوں سے میں دربار مدینہ

ان رندوں پہ قربان فرشتوں کی رسائی
اسرار کے محرم ہیں یہ میخوار مدینہ

دنیا ! تری رعنائی تجھی کو ہو مبارک
قاسم تو دل و جاں سے ہے سرشار مدینہ

حـــــرفے چـــنـــد

بقلم :- مسعود اعجازی اورنگـــــ آبادی

الحمدللہ! **پاسبانی تراشے ماہ مارچ 2021** آپ کی اسکرین پر موجود ہے۔۔۔۔

پاسبانی تراشے! میں آپ دیکھیں گے بہترین نعت ، غزل ، اسکے علاوہ ملک کے موجودہ حالات میں ملت اسلامیہ ہندیہ کے لئے رہنمائی کرتے مضامین، سیاسی سماجی مسائل پر دلچسپ تبصرے ، اصلاح معاشرہ پر تازہ بتازہ مضامین آئے دن پیش آنے والے نت نئے مسائل اور ان کا حل، اور بھی بہت کچھ۔۔۔۔۔

پاسبانی تراشے! سوشل میڈیا کے شہر آفاق گروپ **پاسبان علم و ادب** کے ممبران کے قلم سے نکلنے والے قیمتی ادبی اصلاحی تراشوں کا مجموعہ ہے ۔

پاسبان علم و ادب ، واٹسپ گروپ میں مہینہ بھر آنے والے مضامین میں سے انتخاب کرکے مہینہ کے آخر میں **پاسبانی تراشے** ترتیب دیا جاتا ہے۔

ہم نے کوشش کی ہے اس رسالے کو خوب سے خوب تر بنانے کی مزید کے لئے آپ کی قیمتی آراء کا انتظار رہے گا۔

آپ کی دعاؤں اور مفید مشوروں سے ہمیں حوصلہ ملتا ہے۔۔

العبد مسعود اعجازی اورنگ آبادی

پیر صاحب کی کرامتیں

بقلم :- مولانا شفیق قاسمی اعظمی

ایک پیر صاحب اپنے ایک مرید کے ہمراہ انگلینڈ کے دورے پر تشریف لے گئے، جب وہ واپس اپنے آستانے پر پہنچے تو مرید نے لوگوں سے کہا،
اپنے پیر صاحب کی کرامتیں تو ہم نے گوروں کے ملک میں دیکھی ہیں، جب ہم ہیتھرو ائیر پورٹ سے نکل رہے تھے اور واپسی پر جب ائیر پورٹ کے اندر گزر ہو رہا تھا تو قبلہ پیر صاحب جہاں سے بھی گزرتے بند دروازہ حضرت کو دیکھ کر خود بخود کُھل جاتا تھا۔ پیر صاحب کو دیکھ کر سیڑھیاں خود حرکت میں آ جاتیں، جن پر کھڑے ہوکر پیر صاحب اپنے مریدین کے ہمراہ اوپر نیچے چلے جاتے، نیز ائر پورٹ کے اندر کئی فرلانگ کی سڑک سی چل پڑتی جس پر پیراور مریدین کھڑے ھوکر سفر کرتے رہتے۔ اور تو اور یہ دیکھ کر مارے حیرانی کے میری تو سٹی ہی گم ہو گئی کہ پیر صاحب اپنا بابرکت ہاتھ طہارت کے لیے جونہی پانی والے نل کے قریب بڑھاتے تو نہایت آہستگی مگر ناقابل بیان تیزی کے ساتھ آب رواں سا جاری ہوجاتا ۔۔۔

شبِ براٗ ت کی فضیلت

بقلم :- مولانا عبید اللہ شمیم قاسمی

ماہِ شعبان کی پندرہویں شب جسے بر صغیر میں ہم "شبِ برأت" کے نام سے موسوم کرتے ہیں، احادیث شریفہ میں اس رات کے سلسلے میں فضائل بیان کئے گئے ہیں، مگر اس رات کے سلسلے بہت زیادہ افراط اور تفریط پائی جاتی ہے۔ ایک طبقہ وہ ہے جو اس رات کی فضیلت کا بالکل ہی منکر ہے، جبکہ ایک دوسرا طبقہ اس رات کو لیکر طرح طرح کے خرافات میں مبتلا ہے، مسجدوں کو حد سے زیادہ چراغاں کرنا، طرح طرح کے کھیل تماشے، اور آتش بازی وغیرہ ایسی چیزوں کو کرتا ہے جس کی شریعت نے اجازت نہیں دی ہے، معتدل اور درمیانی چیز جس کا حدیث شریف سے ثبوت ملتا ہے وہ کیا ہے، اس مضمون میں اسی کو بیان کرنے کی ایک ادنی سی کوشش کی گئی ہے۔

شب برات کے کئی نام ہیں:

(۱) ليلة المباركة یعنی برکت والی رات

(۲) ليلة الرحمة رحمت والی رات

(۳) ليلة الصك یعنی دستاویز والی رات

(۴) ليلة البراءة یعنی دوزخ سے چھٹکارا پانے اور بری ہونے کی رات

شب فارسی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی رات کے ہیں اور برأت عربی زبان کا لفظ ہے اس کے معنی "رستگاری وچھٹکارا" کے آتے ہیں، شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

شب برأت کو شب برأت اس لیے کہتے ہیں کہ اس رات میں دو قسم کی براءت ہوتی ہے:

(۱) ایک براءت تو بدبختوں کو خدائے تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے۔ (
۲) دوسری برأت خدا کے دوستوں کو ذلت و خواری سے ہوتی ہے۔

(غنیۃ الطالبین، ص۴۵۶)۔

نیز فرمایا کہ جس طرح مسلمانوں کے لیے اس روئے زمین پر عید کے دو دن (عیدالفطر وعیدالاضحی) ہیں، اسی طرح فرشتوں کے لیے آسمان پر دو راتیں (شبِ برأت وشبِ قدر) عید کی راتیں ہیں۔ مسلمانوں کی عید دن میں رکھی گئی؛ کیوں کہ وہ رات میں سوتے ہیں اور فرشتوں کی عید رات میں رکھی گئی؛ کیوں کہ وہ سوتے نہیں۔

(غنیۃ الطالبین، ص۴۵۷)۔

اللہ رب العزت نے قرآن کریم میں فرمایا:

﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةٍ مُبَارَكَةٍ إِنَّا كُنَّا مُنْذِرِينَ. فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ﴾

[الدخان: 3-4]،

ہم نے اس (قرآن کریم) کو اتارا ایک برکت کی رات میں، ہم ہیں کہہ سنانے والے ، اسی میں جدا ہوتا ہے ہر کام جانچا ہوا

(ترجمہ شیخ الہند)۔

جمہور مفسرین لیلۃ مبارکۃ کی تفسیر شب قدر سے کرتے ہیں کہ اس بابرکت رات میں قرآن کریم کا نزول ہوا، خود قرآن کریم میں سورۃ القدر میں آیا ھے:

﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ﴾ [القدر: 1]

بیشک ہم نے قرآن کریم لیلۃ القدر (شب قدر) میں نازل کیا۔ لیکن مفسرین کی ایک جماعت نے سورۃ الدخان کی آیت میں لیلۃ مبارکۃ سے شب برأت مراد لیا ھے۔ اسی طرح یہ رات قضاء وقدر کے فیصلے کی ہوتی ہے جیسا کہ بعض روایات سے معلوم ھوتا ہے، اس کے بارے میں علامہ شبیر احمد عثمانی فرماتے ہیں: ممکن ہے کہ وہاں سے اس کام کی ابتدا اور شب قدر پر انتہا ہوتی ہو۔

احادیث شریفہ میں شب برأت کی بہت زیادہ فضیلت اور اہمیت بیان کی گئی ہے، جن میں سے چند حدیثیں پیش کی جاتی ہیں:

بے شمار لوگوں کی مغفرت

اس رات میں اللہ تعالی بے شمار لوگوں کی مغفرت فرماتا ہے،جیسا کہ روایت میں آتاہے

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: فَقَدْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ لَيْلَةً فَخَرَجْتُ، فَإِذَا هُوَ بِالبَقِيعِ، فَقَالَ: «أَكُنْتِ تَخَافِينَ أَنْ يَحِيفَ اللَّهُ عَلَيْكِ وَرَسُولُهُ»، قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنِّي ظَنَنْتُ أَنَّكَ أَتَيْتَ بَعْضَ نِسَائِكَ، فَقَالَ: «إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ يَنْزِلُ لَيْلَةَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا، فَيَغْفِرُ لِأَكْثَرَ مِنْ عَدَدِ شَعْرِ غَنَمِ كَلْبٍ» وَفِي البَابِ عَنْ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ. سنن الترمذي (٧٣٩)، سنن ابن ماجه (١٣٨٩).

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں: میں نے ایک رات نبی کریم ﷺ کو اپنے بستر پر نہ پایا، تو میں آپ ﷺ کی تلاش میں نکلی، تو میں نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بقیع (مدینہ طیبہ کا قبرستان) میں ہیں،آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

(مجھے دیکھ کر) ارشاد فرمایا: کیا تو یہ اندیشہ رکھتی ہے کہ اللہ اور اس کا رسول تیرے ساتھ بے انصافی کرے گا؟ (یعنی تیری باری میں کسی دوسری بیوی کے پاس چلا جائے گا؟) میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے یہ خیال ہوا کہ آپ اپنی کسی دوسری بیوی کے پاس تشریف لے گئے ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ شعبان کی پندرہویں شب میں آسمانِ دنیا پر نزول فرماتے ہیں اور قبیلۂ بنوکلب کی بکریوں کے بالوں سے زیادہ لوگوں کی مغفرت فرماتے ہیں۔ (بنوکلب عرب کا ایک قبیلہ تھا، عرب کے تمام قبائل سے زیادہ اس کے پاس بکریاں ہوتی تھیں۔

(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ۳/۳۳۹)۔

صبح تک اللہ تعالیٰ کی ندا

اس رات اللہ تعالی کی طرف سے مسلسل ندا لگائی جاتی ہے جیسا کہ روایت میں ہے:

عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: "إِذَا كَانَتْ لَيْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ، فَقُومُوا لَيْلَهَا وَصُومُوا نَهَارَهَا، فَإِنَّ اللَّهَ يَنْزِلُ فِيهَا لِغُرُوبِ الشَّمْسِ إِلَى سَمَاءِ الدُّنْيَا، فَيَقُولُ: أَلَا مِنْ مُسْتَغْفِرٍ لِي فَأَغْفِرَ لَهُ أَلَا مُسْتَرْزِقٌ فَأَرْزُقَهُ أَلَا مُبْتَلًى فَأُعَافِيَهُ أَلَا كَذَا أَلَا كَذَا، حَتَّى يَطْلُعَ الْفَجْرُ" سنن ابن ماجه (۱۳۸۸)،

شعب الایمان ۳/۳۷۸، حدیث ۳۸۲۲)

ترجمہ: حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جب نصف شعبان کی رات آجائے تو تم اس رات میں قیام کیا کرو اور اس کے دن (پندرہویں تاریخ) کا روزہ رکھا کرو؛ اس لیے کہ اس رات میں اللہ تعالیٰ

سورج غروب ہونے سے طلوعِ فجر تک قریب کے آسمان پر نزول فرماتے ہیں اور ارشاد فرماتے ہیں کہ کیا ہے کوئی مجھ سے مغفرت طلب کرنے والا جس کی میں مغفرت کروں؟، کیا ہے کوئی مجھ سے رزق کا طالب کہ میں اس کو رزق عطا کروں؟ کیا ہے کوئی کسی مصیبت یا بیماری میں مبتلا کہ میں اس کو عافیت عطا کروں؟ کیا ہے کوئی ایسا؟ کیا ہے کوئی ایسا؟ اللہ تعالیٰ برابر یہ آواز دیتے رہتے ہیں؛ یہاں تک کہ سورج طلوع ہوجاتا ہے۔

کن لوگوں کی مغفرت نہیں ہوتی

لیکن ایسے مواقع پر بھی کچھ ایسے لوگ ہوتے ہیں جو اس مغفرت سے محروم رہتے ہیں، چنانچہ حضرت اَبو موسی اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے:

عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ، عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ قَالَ: «إِنَّ اللَّهَ لَيَطَّلِعُ فِي لَيْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَيَغْفِرُ لِجَمِيعِ خَلْقِهِ إِلَّا لِمُشْرِكٍ أَوْ مُشَاحِنٍ»

سنن ابن ماجه (۱۳۹۰) شعب الإيمان للبيهقي ۳۸۲/۳)

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ جھانکتے ہیں یعنی متوجہ ہوتے ہیں نصف شعبان کی رات میں، پس اپنی تمام مخلوق کی مغفرت فرمادیتے ہیں سوائے مشرک اور کینہ رکھنے والے کے۔

فائدہ: "مشاحن" کی ایک تفسیر اس بدعتی سے بھی کی گئی ہے جو مسلمانوں کی جماعت سے الگ راہ اپنائے (مسند اسحاق بن راہویہ ۹۸۱/۳، حاشیہ ابن ماجہ ص۹۹) حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کی روایت میں "زانیہ" بھی آیا ہے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی

اللہ عنہا کی ایک روایت میں ”رشتہ داری توڑنے والا، ٹخنوں سے نیچے ازار لٹکانے والا، ماں باپ کا نافرمان اور شراب کا عادی“ بھی آیا ہے اور بعض روایات میں عشّار، ساحر، کاہن، عرّاف اور طبلہ بجانے والا بھی آیا ہے۔

گویا احادیث شریفہ سے یہ بات معلوم ہوئی کہ عام مغفرت کی اس مبارک رات میں چودہ (۱۴) قسم کے آدمیوں کی مغفرت نہیں ہوتی؛ لہٰذا ان لوگوں کو اپنے احوال کی اصلاح کرنی چاہیے: (۱) مشرک، کسی بھی قسم کے شرک میں مبتلا ہو (۲) بغیر کسی شرعی وجہ کے کسی سے کینہ اور دشمنی رکھنے والا (۳) اہل حق کی جماعت سے الگ رہنے والا (۴) زانی وزانیہ (۵) رشتے داری توڑنے والا (۶) ٹخنوں سے نیچے اپنا کپڑا لٹکانے والا (۷) ماں باپ کی نافرمانی کرنے والا (۸) شراب یا کسی دوسری چیز کے ذریعے نشہ کرنے والا (۹) اپنا یا کسی دوسرے کا قاتل (۱۰) جبراً ٹیکس وصول کرنے والا (۱۱) جادوگر (۱۲) ہاتھوں کے نشانات وغیرہ دیکھ کر غیب کی خبریں بتانے والا (۱۳) ستاروں کو دیکھ کر یا فال کے ذریعے خبر دینے والا (۱۴) طبلہ اور باجا بجانے والا۔ (شعب الایمان ۳۸۲/۳، ۳۸۳، الترغیب والترہیب ۷۳/۲، مظاہر حق جدید ۲۲۱/۲، ۲۲۲)۔

شبِ براء ت میں کیا کیا جائے؟

ان احادیث شریفہ سے یہ بات معلوم ہوئی کہ شبِ براَت ایک بابرکت اور عظمت والی رات ہے، اگرچہ شبِ براَت کے متعلق ذخیرہ احادیث میں جتنی حدیثیں آئی ہیں، وہ سب کمزور ہیں، ان کی سند محدثین کے اصول کے مطابق صحیح نہیں؛ مگر چوں کہ یہ متعدد حدیثیں ہیں اور مختلف صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم (مثلاً: ابو بکر صدیق، علی بن ابی طالب، معاذ بن جبل، ابو موسیٰ اشعری، عبداللہ بن عمرو بن العاص، ابو ثعلبہ خشنی، عثمان بن ابی

العاص اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم اجمعین وغیرہم) سے مختلف سندوں سے روایت کی گئی ہیں؛ اس لیے یہ روایات کم از کم "حسن لغیرہ" کے درجے میں ہیں؛ اسی لیے بعض اکابر محدثین نے کہا ہے کہ اس کی کوئی نہ کوئی بنیاد ہے؛ چناں چہ مشہور عالم صاحب تحفۃ الاحوذی علامہ عبدالرحمن مبارک پوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اِعْلَمْ اَنہ قد وَرَدَ فی فضیلۃِ لیلۃِ النِّصفِ من شعبان عدۃُ احادیثَ مجموعُھا یَدُلُّ علی اَنَّ لَھَا اَصْلاً" پھر چند احادیث شریفہ نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: "فھٰذہ الأحادیث بِمَجْمُوعِھَا حُجَّۃٌ علی من زَعَمَ اَنَّہ لم یَثْبُتْ فی فضیلۃ لیلۃِ النِّصفِ من شعبانَ شیٔءٌ" یعنی یہ تمام حدیثیں مجموعی اعتبار سے اس شخص کے خلاف حجت ہیں جس نے گمان کیا کہ پندرہویں شعبان کی رات کی فضیلت کے سلسلے میں کوئی چیز ثابت نہیں ہے۔

(تحفۃ الاحوذی ۳/۳۶۵، باب ما جاء فی لیلۃ النصف من شعبان)۔

اسی وجہ سے سلف صالحین کے زمانے سے دین دار حلقوں میں ہر زمانے میں اس رات کے اندر عبادت، دعا اور استغفار نیز اس کی فضیلت سے فائدہ اٹھانے کا خصوصی اہتمام کیا جاتا رہا ہے، علامہ ابن رجب حنبلی تحریر فرماتے ہیں: "و لیلۃ النصف من شعبان کان التابعون من أھل الشام کخالد بن معدان ومکحول و لقمان بن عامر و غیرھم یعظِّمُونھا ویجتھدون فیھا في العبادۃ وعنھم أخذ الناس فضلھا وتعظیمھا" اہل شام میں سے جلیل القدر تابعین خالد بن معدان ، مکحول اور لقمان بن عامر وغیرہ شعبان کی پندرہویں شب کی بڑی تعظیم کرتے تھے، اور اس شب میں خوب مبالغہ کے ساتھ عبادت میں مشغول رہتے تھے، انہی حضرات سے لوگوں نے شب برأت کی فضیلت وبزرگی کو لیا ہے۔

بن عامر وغیرہ شعبان کی پندرہویں شب کی بڑی تعظیم کرتے تھے، اور اس شب میں خوب مبالغہ کے ساتھ عبادت میں مشغول رہتے تھے، انہی حضرات سے لوگوں نے شب برأت کی فضیلت وبزرگی کو لیا ہے۔

اس خاص موقع پر کن کاموں کو کس طریقے پر کرنا چاہیے اور کن امور سے پرہیز کرنا چاہیے؟ ذیل میں ان کو اختصار کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔

شب برأت میں عبادت کریں

شب برأت میں آنحضرت ﷺ نے شب بیداری کی اور اتنا ہی نہیں بلکہ لوگوں کو شب بیداری کا حکم دیا، اور نہ صرف حکم دیا بلکہ جاگنے والوں کی فضیلت بھی بیان فرمائی جیسا کہ منذری نے الترغیب والترھیب میں روایت نقل کی ہے

:وَرُوِيَ عَن معَاذ بن جبل رَضِي الله عَنهُ قَالَ قَالَ رَسُول الله ﷺ: "من أَحْيَا اللَّيَالِي الْخمس وَجَبت لَهُ الْجنَّة لَيْلَة التَّروِيَة وَلَيْلَة عَرَفَة وَلَيْلَة النَّحْر وَلَيْلَة الْفطر وَلَيْلَة النّصْف من شعْبَان"، رَوَاهُ الْأَصْبَهَانِيّ (الترغيب والترهيب) (2/ 98).

جس نے پانچ راتوں کو زندہ رکھا اس کے لیے جنت واجب ہوگئ:

(1) لیۃ الترویہ یعنی آٹھویں ذي الحجہ کی شب

(2) نویں ذي الحجہ کی شب (3) عید الأضحی کی رات

(4) عید الفطر کی رات (5) پندرہویں شعبان کی رات

اسی لیے فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ شب برأت میں قیام کرنا یعنی اس رات کو جاگ کر اللہ کی عبادت کرنا مستحب ہے، چنانچہ علامہ ابن نُجیم مصري متوفی (970ھ) تحریر فرماتے ہیں:

وَمِنْ الْمَنْدُوبَاتِ إحْيَاءُ لَيَالِي الْعَشْرِ مِنْ رَمَضَانَ وَلَيْلَتَيْ الْعِيدَيْنِ وَلَيَالِي عَشْرِ ذِي

الْحِجَّةِ وَلَيْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ كَمَا وَرَدَتْ بِهِ الْأَحَادِيثُ وَذَكَرَهَا فِي التَّرْغِيبِ وَالتَّرْهِيبِ مُفَصَّلَةً. البحر الرائق (2/ 56).

اور مستحبات میں سے ہے رمضان المبارک کی آخری دس راتوں کو جاگنا، اور عیدین (عید الفطر اور عید الأضحی) کی راتوں میں، اور عشرہ ذي الحجہ کی راتوں میں، اور شعبان کی نصف رات میں یعنی پندرہویں شعبان کو، جیسا کہ احادیث میں وارد ہوا ھے اور منذری نے الرترغیب والترھیب میں مفصلا ذکر کیا ہے۔

اس سلسلے میں چند باتیں پیش نظر رہنی ضروری ہیں:

نفلی عبادت تنہائی میں اور اپنے گھر میں ادا کرنا افضل ہے؛ لہٰذا شب براَت کی عبادت بھی گھر میں کریں، مسجد میں نہیں، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اِجْعَلُوْا فِيْ بُيُوْتِكُمْ مِنْ صَلَاتِكُمْ وَلَا تَتَّخِذُوْهَا قُبُوْرًا" (بخاری شریف ۱/۱۵۸) اپنی نماز کا کچھ حصہ اپنے گھروں میں بناؤ یعنی نوافل گھر میں ادا کرو اور ان کو قبرستان نہ بناؤ کہ قبرستان میں نماز نہیں پڑھی جاتی (تحفۃ القاری ۳/۵۰۷)

اس رات میں (اسی طرح شب قدر میں بھی) عبادت کا کوئی خاص طریقہ مقرر نہیں؛ ذکر وتلاوت، نفل نماز، صلاۃ التسبیح وغیرہ کوئی بھی عبادت کی جاسکتی ہے۔

اپنی ہمت اور طاقت کے مطابق عبادت کرنی چاہیے، اللہ تعالی ہمیں اس رات کی قدر کرنے اور اس میں نیک اعمال کرنے کی توفیق بخشے۔

تبلیغی جماعت کے اصلاح طلب امور

بقلم :- مولانا صادق قاسمی خیرابادی

نفس تبلیغ یادعوت دین پر بحث ہی فضول ہے کیونکہ یہ تو متفق علیہ اور امت کے اہم فرائض میں سے ہے

مسئلہ دراصل یہ ہے کہ مروجہ تبلیغی جماعت کے اندر جو بے اعتدالیاں غلو آمیز حرکتیں تبلیغی جماعت سے عملی طورپر وابستگی کو ضروری سمجھنا اپنے مصنوعی طریقہ کار اور فارمولے کو لازم قرار دینا اس کے خلاف کسی بھی طریقہ کار کو تسلیم نہ کرنا نصوص میں معنوی تحریف کر کے صرف جماعت اور اس کے کاموں پر منطبق کرنادین کے دوسرے شعبہ جات میں خدمات پیش کرنے والے افراد کی تحقیر کرنا اور ان کی خدمات کو دینی کام سے خارج قرار دینا چلہ وغیرہ نہ لگانے والے کو مطعون کر کے ان کے ساتھ ذلت آمیز حرکت کرنا تنخواہ لے کر دینی امور انجام دینے والوں کے بارے یہ کہدینا کہ یہ دین کا کام نہیں کررہے ہیں بلکہ اپنے پیٹ کے لئے کررہے ہیں

خصوصا وہ علماء جو مدارس میں دینی علوم کی خدمات انجام دے رہے ہیں ان کے ساتھ نفرت کا مظاہرہ کرنا دینی خدمت کو تبلیغی جماعت ہی میں منحصر کر دینا وغیرہ وغیرہ

اصل بحث تبلیغ کے موضوع پر مذکورہ امور کے تناظر میں ہونی چاہئے اور آج جو حضرات بھی تبلیغی جماعت پر انگلی اٹھاتے ہیں انہیں سب بے اعتدالیوں کی وجہ سے اٹھا تے ہیں لیکن عجیب مسئلہ ہے جب بھی جماعت کے حوالے سے گفتگو ہوتی ہے تو حمایتی حضرات اصل موضوع سے صرف نظر کرتے ہوئے خلط مبحث کر بیٹھتے ہیں اور نفس تبلیغ کو موضوع بناکر ایران توران ہانکنا شروع کر دیتے ہیں جس کے نتیجہ میں بدمزگی اور آپسی چپقلش کا منظر رونما ہوجاتا ہے ۔۔۔ فیاللعجب

حضرت عائشہ کی عمر بوقتِ رخصتی 9 سال ہے

بقلم :- مفتی عبید اللہ قاسمی دہلی

حضرت عائشہ کی عمر بوقتِ رخصتی 9 ہے. 19 یا 16 وغیرہ کہنا انتہائی واہیات بات ہے

1. اصولی طور پر احادیثِ صحیحہ میں مذکور خبر علمِ قطعی کا فائدہ دیتی ہیں اور اگر کسی تاریخی کتاب میں بات اس کے معارض ہو تو اس تاریخی کتاب کی بات احادیثِ صحیحہ کے مقابلے میں خس وخاشاک کی حیثیت بھی نہیں رکھتی ہے. اور اس کی جو وجہ ہے اسے بتانے کی ضرورت نہیں ہے. اس اعتبار سے بھی بخاری ومسلم وغیرہ میں مذکور حضرت عائشہ کی 9 سالہ عمر بوقت رخصتی کے مقابلے میں کسی طبری وغیرہ کی بات کی کوئی حیثیت نہیں ہے.

2. حضرت عائشہ کی 9 سالہ عمر بوقتِ رخصتی پر امت کا اجماع ہوچکا ہے اور امت کا اجماع معصوم عن الخطاء ہے بوجہ حدیث لاتجتمع أمتي علی الضلالة.

3. نزولِ اسلام کے وقت 9 سالہ لڑکیوں کی شادی عربوں میں خوب رائج تھی اور قابلِ اعتراض ہرگز نہ تھی. اور اسی وجہ سے اس وقت کے دشمنانِ اسلام نے اس کو قابلِ اعتراض نہ جانا ورنہ واقعہِ افک کی طرح قرآن نازل ہوجاتا. اس اعتبار سے بھی حضرت عائشہ کی 9 سالہ رخصتی قابلِ اعتراض نہیں ہے.

4. نبی کے سارے اہم کام وحیِ الٰہی سے monitor ہوتے تھے لہذا 9 سال کی عمر میں حضرت عائشہ سے نکاح بھی وحیِ الہی کی وجہ سے تھا اور نبی چونکہ معصوم ہوتا ہے لہذا یہ عمل قابلِ اعتراض ہرگز نہیں ہے بلکہ مسلمان کے لئے ایسا لمحہ بھر کے لئے سوچنا بھی ایمان سوز ہے.

5. شریعتِ اسلامیہ میں لڑکی یا لڑکے کا نکاح ولادت کے فوراً بعد بھی درست ہے. البتہ شادی شدہ لڑکی کے ساتھ صحبت قبلِ استطاعت یعنی مراہقت یا بلوغ (اقلِ مدت 9 سال) سے پہلے درست نہیں ہے. حضرت عائشہ کی رخصتی اس معیار پر بھی کھری اترتی ہے.

6. جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جہاں احادیث میں عمرِ نکاح بیان کرتے ہوئے عربی میں 6 یعنی سِت اور عمرِ رخصتی 9 یعنی تسع مذکور ہے وہاں دہائی یعنی عشرۃ کا لفظ رہ گیا ہے وہ دشمنانِ اسلام سے سخت مرعوبیت کی وجہ سے کہہ رہے ہیں کیونکہ اگر انہوں نے وارد کلمات پر ذرا بھی غور کیا ہوتا تو یہ بات ھباءا منثورا نظر آتی اور خود پر بے ساختہ ہنسی آتی. تفصیل میں گئے بغیر مختصراً پہلے میں احادیث میں مذکور وہ الفاظ نقل کرتا ہوں:

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ : تَزَوَّجَنِي النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا بِنْتُ سِتِّ سِنِينَ فَقَدِمْنَا الْمَدِينَةَ... (رواه البخاري)

عَنْ عَائِشَةَ رضي الله عنه أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَزَوَّجَهَا وَهِيَ بِنْتُ سَبْعِ سِنِينَ ، وَزُفَّتْ إِلَيْهِ وَهِيَ بِنْتُ تِسْعِ سِنِينَ ، وَلُعَبُهَا مَعَهَا ، وَمَاتَ عَنْهَا وَهِيَ بِنْتُ ثَمَانَ عَشْرَةَ ....(رواه مسلم)

قارئین مذکورہ بالا احادیث میں وارد الفاظ کو اگر صرف عربی گرامر کے اعتبار سے بھی دیکھیں تو اس بات کی لغویت واضح ہوجاتی ہے کیونکہ راوی سے اگر بھول کر عشرۃ کا لفظ چھوٹا ہوتا تو آگے معدود میں لفظ سنین نہ ہوتا بلکہ لفظ سنۃً ہوتا مگر تمام احادیث میں لفظ سنین ہی ملتا ہے. نیز کیا کلامِ عرب میں اس طرح عشرۃ کو چھوڑ کر لکھنے یا بولنے کا رواج

تھا؟ ظاہر ہے ہرگز نہیں. اس کی کوئی نظیر پیش نہیں کی جاسکتی ہے.

میں دعاء لکھتا رہا اور وہ دغا پڑھتا رہا

7. تمام محدثین اور شراحِ حدیث میں سے کسی ایک نے بھی ان احادیث کی شرح میں یہ بات نہیں لکھی ہے کہ روایات میں تضاد ہے یا رخصتی کی عمر 9 نہیں بلکہ 19 وغیرہ تھی. کیا سب سے، ساری امت سے غلطی ہوتی چلی گئی؟

8. اگر فرض کرلیا جائے کہ لفظ عشرۃ راوی سے رہ گیا اور سنۃً بھی غلطی سے سنین میں بدل گیا تو سوال یہ ہے کہ پھر کوئی کھڑا ہوکر یہ پکار اٹھے کہ قرآن کی فلاں فلاں آیات میں جو اعداد مذکور ہیں ان میں فلاں فلاں عدد نقل کرنے سے رہ گیا ہے تو کیا اس کی بات درست کہی جاسکتی ہے؟ ظاہر ہے کہ ہرگز نہیں.

9. جہاں تک بات اس کی ہے کہ اگر ہم نے کوشش کرکے 9 کو 19 ثابت کردیا تو اسلام دشمنوں کے بہت بڑے اعتراض سے بچ جائینگے تو یہ ذہنیت سخت جان لیوا ہے اور اس کے نقصانات لامتناہی ہیں کیونکہ دشمنانِ اسلام تو پورے اسلام کو ہی نشانہ بناتے ہیں. ہم تو ان کی رضامندی کے لئے احادیثِ صحیحہ میں سے ایک حدیث کی بھی تکذیب یا جان بوجھ کر غلط تاویل نہیں کرسکتے ہیں.

خلاصہ یہ کہ مضبوط دلائل، احادیثِ صحیحہ میں وارد صریح عمر، احادیثِ صحیحہ میں وارد رخصتی کے وقت گڑیوں سے کھیلنے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے پیچھا انہیں کھڑی کرکے مدینے میں کھیل دکھانے کی روایات کے تقاضے اور اجماعِ امت کی روشنی میں یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر بوقتِ رخصتی 9 سال ہی تھی. 19 کی بات تارِ عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور ہے.

دشمنانِ اسلام عمر کے بارے میں احادیث کی تغلیط کے ذریعے دور رس اسکیمیں اور سازشیں رکھتے ہیں. لہذا ہمیں چاہئے کہ اسلام دشمنوں، مستشرقین اور مغاربہ کی باتوں سے بلاوجہ مرعوب ومتاثر نہ ہوں، ان کے گستاخانہ خاکوں پر معقول دلائل کے ذریعے خاک ڈالیں، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی 9 سالہ رخصتی بوقتِ نکاح کا دفاع کریں اور اسے معقول طور پر دنیا کے سامنے پیش کریں. دشمنوں کی سازشوں اور مکر کو سمجھیں. احساس، ادراک اور باشعوری کی ضرورت ہے.

محمد عبید اللہ قاسمی، دہلی

مورخہ 10 مارچ، 2021

مصارف زکوٰۃ

دوسری قسط

بقلم :- مولانا ولی اللہ مجید قاسمی

مصارف زکوٰۃ کی پہلی قسط ، پاسبانی تراشے ماہ ستمبر 2020 میں شائع ہوئی ہے ۔ صفحہ نمبر 23 تا 37

مدارس کے سفراء اور محصلین

زکات کی وصولی اور تقسیم کا اصل اختیار اسلامی حکومت ہی کو ہے، امیرالمومنین کی طرف سے وصولی زکات کے کام کے لئے مقرر شخص ہی اصلاً عامل کہا جائے گا، لیکن کہیں مسلمانوں کی حکومت اور سلطنت قائم نہ ہو تو وہاں زکات کی وصولی اور تقسیم کا نظم کیا ہو گا؟ کیا کسی غیر سرکاری ادارے کو یہ حق حاصل ہے کہ اپنے طور پر زکات کی جمع و تقسیم کا انتظام وانصرام کرے، نیز کیا اس ادارے کی طرف سے متعین کردے وہ کارکن"عامل" کے حکم میں ہوں گے؟

اس سوال کے جواب سے پہلے ہمیں اس پر غور کرنا چاہئے کہ زکات کی وصولی اور تقسیم کے لئے حکومت وسلطنت کی شرط لازمی ہے یا انتظامی، کہ کوئی دوسرا بھی اس کے قائم مقام ہوسکتاہے؟ ظاہر ہے کہ یہ شرط انتظامی ہے، لازمی اور ضروری نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ جمعہ اور عیدین کے لئے عام طور پر کتابوں میں سلطان یا اس کے نائب کی قید لگائی گئی ہے لیکن لیکن بھارت جیسی جگہوں میں ان شرطوں کی ضرورت نہیں سمجھی گئی ہے، اور باہمی مشورہ اور اہل مسجد کی طرف سے متعین کردہ امام کو سلطان کے قائم مقام سمجھا گیا ہے، ایسے ہی قاضی کی تقرری بھی سلطان کے اختیار ات میں ہے لیکن جہاں مسلمانوں کی

حکومت نہ ہو وہاں مسلمان باہمی رضامندی سے جسے قاضی بنالیں وہ قاضی ہوسکتاہے۔
غرضیکہ اگر کسی وجہ سے کسی حکم کو اس کے مطلوبہ معیار کے مطابق روبہ عمل نہیں لایا جاسکتا ہے تو اسے بالکل ترک کی اجازت نہیں ہوتی ہے بلکہ جس شکل میں بھی ہوسکے بوقت ضرورت اس پر عمل کیا جاتا ہے، فقہ اسلامی میں اس کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں،لہٰذا جن جگہوں پر اسلامی نظام کے مطابق حکومت قائم نہیں ہے وہاں کے مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے طور پر زکات کی وصولی اور تقسیم کے لئے کوئی ادارہ قائم کریں تاکہ ایک حد تک اجتماعی شان باقی رہے، بہتر تو یہ ہے کہ اس کام کے لئے اجتماعیت کو باقی رکھنے کے مقصد سے صرف ایک ہی ادارہ قائم کیا جائے، البتہ اگر یہ صورت ممکن نہ ہو توپھر ایک سے زائد ادارے قائم کئے جاسکتے ہیں جو اپنے اپنے دائرۂ اعتماد میں رہ کر اس فریضہ کو انجام دیں۔ لیکن وصولی زکات اور چندہ کے موجودہ نظام کی کسی بھی حیثیت سے تائید نہیں کی جاسکتی ہے کہ اس نے تو اس اجتماعی نظام کا تصور ہی مٹا کر رکھ دیاہے، اوراس کی وجہ سے علماء اور اہل مدارس کی جو بے وقعتی اور آپسی نزاع کی جو کیفیت ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے۔
حاصل یہ ہے کہ جن جگہوں پر اسلامی نظام حکومت نہ ہوں وہاں پبلک ادارےاپنے طور پر وصولی زکات کا نظم کرسکتے ہیں، بلکہ کرنا چاہئے، اور ممکن حد تک اس نظام میں اجتماعی شان مطلوب اور مقصود ہے، لہٰذا اس سلسلہ میں گروہ بندی اور انتشار سے بچ کر ایک اجتماعی ادارہ قائم کرنا چاہئے، چنانچہ مفتی کفایت اللہ لکھتے ہیں:
زکات وعشر وغیرہ فرائض مالیہ کا وجوب جن حکم شرعیہ اور مصالح بشریہ پر مبنی ہے ان کا تقاضا ہے کہ ادائے زکات وعشر اور مستحقین پر ان کی تقسیم میں تنظیم کا کامل لحاظ رکھا

جائے اور ظاہر ہے کہ انفرادی تصرفات میں تنظیم مفقود ہوتی ہے، اس غلامی کے دور میں جو تفریق اور تشتت کا دور ہے امکانی صورت یہی نظر آتی ہے کہ اہل حل وعقد کی کوئی جماعت اس کام کو اپنے ہاتھ میں لے ۔(22)

اور اس ادارہ کی طرف سے متعین کردہ کارکن ایک طرح سے عامل کے حکم میں ہوں گے اور انھیں اس مد سے تنخواہ دینا درست ہے کیونکہ عاملین زکات دہندہ کے وکیل تو ہوتے ہی ہیں، ساتھ ہی وہ فقراء کے بھی وکیل ہوتے ہیں، چنانچہ ایک زمانہ میں علماء ہند کے درمیان یہ مسئلہ زیر بحث رہا کہ مدارس کے مہتمم زکات دہندہ کے وکیل ہیں یا طلباء کے یا دونوں کے؟ زکات دہندہ کے وکیل ہونے پر سب متفق تھے،لیکن طلباء کے وکیل ہیں یا نہیں؟ اس سلسلہ میں اختلاف رائے رہا، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کا خیال تھا کہ

مہتمم مدرسہ کا،قیم ونائب جملہ طلباء کا ہوتاہے، جیسا امیر،جملہ عالم کا ہوتا ہے، پس جو شئ کسی نے مہتمم کو دی، مہتمم کا قبضہ خود طلبہ کا قبضہ ہے، اس کے قبضہ سے ملک معطی سے نکلا اور ملک طلبہ ہوگیا، اگرچہ وہ مجہول الکمیت والذوات ہوں مگر نائب معین ہے، اور مہتمم بعض وجوہ میں وکیل معطی کا بھی ہوسکتا ہے ۔(23)

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری بھی اسی کے قائل تھے اور حضرت تھانوی سے ان کی طویل مراسلت ہوئی ہے، جس کے بعد وہ بھی اسی رائے پر مطمئن ہوگئے (24) گویا کہ عام طور پر علماء نے مہتمم مدرسہ کو طلباء کا وکیل تسلیم کرلیا ہے اور یہ بات بھی کسی پر پوشیدہ نہیں ہے کہ عامل کو مد زکات سے تنخواہ اس لئے دی جاتی ہے کہ وہ فقراء کے کام کے لئے اپنا وقت لگاتاہے، لہٰذا جب مہتمم مدرسہ طلبہ کے وکیل ہوگئے تو ان کی طرف

سے اس کام کے لئے مامور شخص کو مد زکات سے تنخواہ دینی جائز ہے، اور ان سفراء ومحصلین کو زکات دے دینے سے زکات دہندہ کی ذمہ داری ختم ہوجائے گی، چنانچہ مفتی کفایت اللہ لکھتے ہیں:

زکات کی رقم وصول کرکے لانے والوں کو اس رقم میں سے اجرت عمل دینے کی گنجائش ہے خواہ وہ غنی ہوں مگر کسی حال میں ان کی وصول کی ہوئی رقم کے نصف سے زیادہ نہیں دی جائے گی۔ (25)

مولفة القلوب

زکات کا چوتھا مصرف "مولفۃ القلوب" ہے، یعنی وہ لوگ جن کی دلجوئی کی جائے جنھیں اسلام سے مانوس کرنا اور اسلام پر ثابت قدم رکھنا مقصود ہو، اس کے دائرے میں درج ذیل قسم کے لوگ شامل سمجھے جاتے ہیں۔

1۔ غیر مسلم روسا اور لیڈر جن کے متعلق امید ہو کہ وہ اس طرح کے تعاون سے اسلام کی طرف مائل ہوں گے۔

2۔ وہ با اثر اور طاقت ور غیر مسلم جس کے اسلام کی امید نہ ہو لیکن اگر کچھ مالی تعاون کردیا جائے تو اسلام اور مسلمان اس کے شر سے محفوظ رہیں گے۔

3۔ وہ نو مسلم جس کا ایمان کمزور ہو، اس مد سے اعانت کے ذریعہ انھیں اسلام پر ثابت قدم رکھا جائے۔

4۔ وہ مسلمان جو بذات خود راسخ الاعتقاد ہیں لیکن ان کی اعانت سے ان جیسے دوسرے کافر سرداروں کے ایمان لانے کی امید ہو۔

5۔ وہ مسلمان روسا جو اپنے علاقے میں اصولی زکات کے لئے عاملین کو مدد دیں اور

سرحدی علاقوں میں دشمن کے خطرات سے محفوظ رکھنے میں حکومت کے ساتھ تعاون کریں ۔(26)

عام طور پر فقہاء اور محدثین نے ان تمام قسموں کو "مولفۃ القلوب" کے دائرہ میں شامل مانا ہے، لہٰذا کافر اور غیر مسلم کو بھی مذکورہ مقاصد کے حصول کے لئے زکات کی رقم دی جاسکتی ہے، ان کے پیش نظر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ طرز عمل ہے۔

1۔ امام مسلم اور ترمذی وغیرہ نے صفوان بن امیہ کے حوالے سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ

واللہ لقد اعطانی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وانہ لا بغض الناس الی فمازال یعطینی حتی انہ لاحب الناس الی۔

اللہ کی قسم، نبی صلی اللہ علیہ وسلم مجھ پر نوازش کرتے رہے حالانکہ وہ میرے نزدیک سب سے ناپسندیدہ تھے لیکن اس لگاتار نوازش کی وجہ سے وہ میرے لئے سب سے زیادہ محبوب بن گئے ۔(27)

حالانکہ صفوان ابھی ایمان نہیں لائے تھے، ان عطایا کے ملنے کے بعد اسلام قبول کیا اور راسخ مسلمان ہوئے۔

2۔ عن انس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن یسال شئیا علی الاسلام الا اعطاہ قال فاتاہ رجل فسالہ فامر لہ بشیاہ کثیرۃ بین جبلین من شاۃ الصدقۃ قال فرجع الی قومہ فقال یا قوم اسلموا فان محمدا یعطی عطاء من لا یخشی الفاقہ. رواہ احمد باسناد صحیح(28)

حضرت انس سے روایت ہے کہ اسلام کے نام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو مانگا جاتا عطا کر دیتے، حضرت انس کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ سے سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ صدقات کی بکریاں جو دوپہاڑوں کے درمیان کثیر تعداد میں تھیں اسے دے دیا جائے وہ آدمی اپنی قوم کے پاس گیا اور کہا لوگو! مسلمان ہوجاؤ کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم فقروفاقہ کے خوف سے بے نیاز ہوکر دادودہش کرتے ہیں، امام احمد نے اس کو صحیح سند کے ساتھ روایت کی ہے، بظاہر معلوم ہوتاہے کہ آنے والا غیر مسلم تھا۔

3۔ عن ابن عباس ان قوما کانوا یاتون النبی صلی اللہ علیہ وسلم فان اعطاہم من الصدقات مدحوا الاسلام وقالوا ہذا دین حسن وان منعهم ذموا عابوا۔

عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ کچھ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا کرتے تھے اور اگر انھیں صدقات کی رقم سے کچھ دے دیا جاتا تو اسلام کی اچھائی بیان کرتے اور کہتے کہ یہ بہتر دین ہے اور اگر نہ دیا جائے تو برائی اور عیب جوئی کرتے۔ (29)

4۔ کافرومشرک کو اسلام کی طرف مائل کرنے اور مسلمانوں کو ان کے شر سے محفوظ رکھنے کے لئے زکات دینا درحقیقت ایک طرح سے جہاد ہے، کیونکہ مشرک وکافر تین طرح کے ہوسکتے ہیں کچھ تو وہ ہیں جو دلیل کے ذریعہ مطمئن ہوکر اسلام میں داخل ہوتے ہیں، بعض ایسے ہیں جو قوت وطاقت کی زبان سمجھتے ہیں، اور چند ایسے بھی ہوتے ہیں جن

کے لئے سکون کے جھنکار ہی میں کشش ہوتی ہے، وہ نوازش اور احسان کی وجہ سے اسلام قبول کرسکتے ہیں، لہٰذا مالی تعاون کے ذریعہ انھیں اسلام کی طرف مائل کرنا ایک طرح سے جہاد ہے ۔(30)

اس برخلاف امام شافعی کی رائے ہے کہ مولفۃ القلوب کے حکم میں کافر ومشرک شامل نہیں ہیں، وہ کہتے ہیں کہ

مولفۃ القلوب وہ لوگ ہیں جو اسلام میں داخل ہوچکے ہیں، اور کسی مشرک کو اسلام کی طرف مائل کرنے کی غرض سے زکات نہیں دیا جائے گا، اگر کوئی کہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تو فتح حنین کے موقع پر بعض مشرکوں کو دیا تھا، ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ مال زکات سے نہیں دیا گیا تھا بلکہ انھیں مال فئ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مخصوص مال سے دیا گیا تھا۔ (31)

وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ زکات ایک مالی عبادت ہے جو مسلمان سے حاصل کیا جاتاہے اور مسلمانوں ہی میں خرچ کیا جائے گا، غیر مسلم اس کے حقدار نہیں ہیں، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

توخذ من اغنیاء ہم فترد الی فقراء ہم۔

زکات مسلمان مالداروں سے لی جائے گی اور انھیں کے فقیروں میں اسے خرچ کیا جائے گا (32)

اور کسی روایت سے ثابت نہیں ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کافر کو اسلام کی طرف مائل کرنے کے لئے زکات کی رقم سے دیا ہو ۔(33) اور جن روایتوں سے بعض کافروں کو بطور تالیف قلب دینا ثابت ہے ان میں صراحت ہے کہ یہ رقم

غنیمت سے دی گئی تھی اور زکات کی رقم سے دینا ثابت نہیں ہے، چنانچہ رافع بن خدیج سے مروی ہے کہ

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قسم غنائم حنین فاعطی ابا سفیان بن حرب ماءۃ من الابل وصفوان بن امیۃ وعینیۃ بن الحصن الخ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے "حنین" کی غنیمت کو تقسیم کیا تو سفیان بن حرب، صفوان بن امیہ اور عینیہ بن حصن کو سو سو اونٹ دیا۔ (34)

ایسے ہی امام ترمذی نے صفوان بن امیہ کے حوالے سے لکھاہے کہ

اعطانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم حنین وانہ لا بعض الخلق فما زال یعطینی حتی انہ لاحب الخلق الی (35)

بلکہ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے مال غنیمت سے بھی جن لوگوں کو دیا گیا وہ غیر مسلم نہیں بلکہ نومسلم تھے چنانچہ حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ..... اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فانی اعطی رجالا حدیثی عھد بکفر اتالفھم

میں دلجوئی کے مقصد سے بعض نومسلموں کو مال دیتا ہوں (36)

امام قرطبی نے ان لوگوں کے ناموں کو تفصیل سے لکھاہے جنھیں رسول اللہ ﷺ نے مال غنیمت سے دیا تھا،اس کے بعد وہ لکھتے ہیں، یہ تمام لوگ مومن تھے،ان میں کوئی کافر نہ تھا۔(37)

اور جن صاحب کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقات کی بکریاں دی تھیں ان

کے مسلمان ہونے کے امکان کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ہے، نیز اس روایت میں یہ بھی واضح نہیں ہے کہ وہ بکریاں بطور صدقات نافلہ جمع تھیں یا واجبہ اور حضرت ابن عباس کی روایت میں خود وضاحت ہے کہ وہ لوگ مسلمان تھے لیکن ان کے دلوں میں اسلام راسخ نہیں تھا، چنانچہ ابن جریر طبری نے اپنی سند کے ساتھ نقل کیا ہے:

حضرت عبد اللہ ابن عباس سے روایت ہے کہ مولفُ القلوب سے مراد وہ لوگ ہیں جو اسلام لاچکے تھے، وہ اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آتے اور آپ انھیں صدقات میں سے دیا کرتے تھے (38)

حقیقت یہ ہے کہ جن لوگوں کو مال غنیمت سے دیا گیا تھا یہ وہ لوگ تھے جن کی معاشی حالت مسلسل جنگوں کی وجہ سے بکھر گئی تھی، فتح مکہ نے اس کی رہی سہی کسر پوری کردی، یہ وہ سردار تھے جو بڑی شان وشوکت اور مال ودولت کے مالک تھے لیکن اس وقت ان کی سرداری مٹی میں مل چکی تھی، اور گرچہ وہ اسلام قبول کرچکے تھے، اس کی صداقت پر ایمان لاچکے تھے، ان کا ایمان جبر ودباؤ کے زیرِ اثر نہیں تھا بلکہ انھوں نے اسلام کی فطری قوت وطاقت سے متاثر ہوکر اطاعت قبول کی تھی تاہم ان کے دل میں یہ خیال آسکتا تھا کہ اسلام ہی کی وجہ سے انھیں آج یہ دن دیکھنا پڑا ہے، اس لئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اتنا کچھ دے دیا کہ ان کی معاشی حالت میں سدھار ہوسکے اور وہ ماضی کے واقعات کو فراموش کردیں، جیسا کہ صحیح مسلم کی حدیث میں یہ صراحت مذکور ہے..... ورنہ تو مال ودولت کے کسی کے عقیدہ وضمیر کا سودا کرنے، غریب عوام کی غربت کی مجبوری سے فائدہ اٹھاکر مالی امداد کے ذریعہ کسی دین ومذہب کی طرف مائل کرنے کی کوشش کو سراہا نہیں جاسکتا ہے، اور نہ ہی اس سے کسی بہتر تبدیلی کی امید

کی جاسکتی ہے، اور اشاعت اسلام کے لئے مالی امداد کی بیسا کھی کی ضرورت نہ کبھی رہی ہے اور نہ رہے گی، اسلام کا دامن اس طرح کی آلودگی سے پاک وصاف ہے، اشاعت اسلام اور دین کی تبلیغ کے لئے اس طرح کے ہتھکنڈوں کو استعمال کرنا "اکراہ" میں داخل ہے، اور قبول اسلام کے سلسلہ میں کسی طرح کا جبر واکراہ درست نہیں ہے۔

مولفُ القلوب کے ذیل میں داخل بقیہ تینوں قسموں کو... بشرطیکہ وہ مالدار ہوں... بھی زکات کے مد سے دینا کسی صحیح حدیث یا خلفائے راشدین کے عمل سے ثابت نہیں ہے، چنانچہ اس سلسلہ میں عام طور پر یہ دلیل پیش کی جاتی ہے۔

انہ صلی اللہ علیہ وسلم اعطی عدی بن حاتم والزبر ثانی بن بدر۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس روایت کے متعلق لکھاہے کہ اس کی کوئی اصل نہیں ہے ... امام شافعی نے اسے حضرت ابو بکر کی طرف منسوب کیاہے کہ

ان عدی بن حاتم جاء ابی بکر الصدیق بثلاث مأۃ من الابل من صدقات قومہ فاعطاہ ابو بکر رضی اللہ عنہ ثلاثین بعیراً۔ لیکن یہ روایت بھی بے سند ہے۔(39)

اس کے برخلاف صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ زکات کی رقم مالداروں کو نہیں دی جائے گی، علاوہ چند قسم کے لوگوں کے ، چنانچہ حضرت معاذ بن جبل کی حدیث گزرچکی ہے کہ زکات مالداروں سے وصول کی جائے گی اور فقیروں پر خرچ ہو گا، نیز ایک دوسری حدیث میں ہے کہ

لا تحلّ الصدقۃ لغنی الا فی سبیل اللہ او ابن السبیل او جار فقیر یتصدق علیہ فیھدی لک (40)

مالدار کے لئے صدقہ حلال نہیں ہے، سوا اس شخص کے جو اللہ کے راستے میں ہو یا مسافر ہو یا کوئی کسی فقیر کا پڑوسی ہو اور اس فقیر کو صدقہ دیا جائے جسے وہ مالدار پڑوسی کو بطور تحفہ دے دے۔

اس حدیث میں مولفۃ القلوب کا تذکرہ نہیں ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس رقم سے کسی مالدار مولفۃ القلوب کو نہیں دیا جائے گا،لہٰذا صحیح یہ معلوم ہوتا ہے کہ مولفۃ القلوب سے مراد وہ غریب اور محتاج نو مسلم ہیں جن کے متعلق اندیشہ ہو کہ اگر مالی تعاون نہ کیا جائے تو معاشی پریشانی کی وجہ سے ان کا ایمان پر باقی رہنا دشوار ہے، ان کی طرف خصوصی توجہ دلانے کے لئے علیٰحدہ سے ان کا تذکرہ کیا گیا ہے، یہ ایسے ہی ہے جیسے کہ عام کے بعد خاص کا ذکر کیا جاتا ہے۔

اس تفصیل کے بعد اسے منسوخ ماننے کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی ہے اور نہ یہ کہنے کی حاجت ہے کہ انھیں ایک مخصوص مقصد کے تحت دیا جاتا رہا اور غلبۂ اسلام کی وجہ سے وہ مقصد باقی نہیں رہا بلکہ یہ مصرف کبھی ختم نہیں ہوا، اب بھی باقی ہے اور تا قیامت باقی رہے گا اور اس قسم کے باقی رہنے پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے۔

واضح رہے کہ امام ابوحنیفہ،مالک اور احمد بن حنبل کے نزدیک"مولفۃ القلوب" میں کافر بھی شامل ہیں۔ لہٰذا ان کی دلجوئی اور انھیں اسلام کی طرف مائل کرنے یا ان کے شر سے محفوظ رکھنے کے لئے زکات کی رقم دی جاتی تھی، ان حضرات کے دلائل کا تذکرہ تفصیلی طور پر گذر چکا ہے، لیکن امام ابوحنیفہ اور امام مالک اس بات کے قائل ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں عددی قوت حاصل کرنے کے مقصد سے کفار کو اسلام کی طرف مائل کرنے کے لئے زکات کی رقم دی جاتی تھی، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم

کی وفات کے بعد جب مسلمانوں کو غلبہ اور قوت حاصل ہوگئی تو اب اس طرح کی تدبیر کی ضرورت باقی نہیں رہی۔

اس رائے کے مطابق آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں کفار کو ایک خاص مقصد کے تحت زکات دی جاتی تھی اور اب وہ مقصد باقی نہیں رہا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کبھی وہ حالات پیدا ہوجائیں تو پھر انھیں زکات کی رقم دی جاسکتی ہے۔

امام احمد بن حنبل کے نزدیک مولفۃ القلوب کے دائرے میں کافر بھی شامل ہیں، اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی انھیں زکات کی رقم اسلام کی طرف مائل کرنے کے لئے دی جائے گی (41) فقہ مالکی میں بھی اسی کو ترجیح حاصل ہے (42) اور علامہ ابن رشد نے امام ابوحنیفہ اور شافعی کی رائے کے اسی کے مطابق نقل کی ہے(43) جو حضرات اس حکم کو اب باقی نہیں سمجھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ حضرت فاروق اعظم کے پاس "مولفۃ القلوب" میں سے عینیہ بن حصن اپنا حصہ لینے آئے تو انھوں نے فرمایا:

الحق من ربکم فمن شاء فلیومن و من شاء فلیکفر ای لیس الیوم مولفۃ (44)

معلوم ہوا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم انھیں ایک مقصد کے تحت دیا کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وہ مقصد نہیں رہا اس لئے فاروق اعظم نے انھیں دینے سے انکار کردیا۔

بعض فقہاء کا خیال ہے کہ حضرت عمر کے اس عمل پر صحابہ نے سکوت اختیار کیا، لہٰذا یہ ایک اجماعی فیصلہ ہوا اور اس کے ذریعہ سے مولفۃ القلوب کا حکم منسوخ ہوگیا، لیکن یہ ایک غلط تاویل ہے اس سے اتفاق نہیں کیا جاسکتاہے،علامہ بابرتی حنفی وغیرہ نے اس خیال پر تنقید کی ہے اور کہا ہے کہ ولیس بصحیح من المذہب کیونکہ کتاب اللہ کی کوئی

آیت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں منسوخ ہوسکتی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اجماع وغیرہ کے ذریعہ اسے منسوخ نہیں کیا جاسکتاہے، بعض حضرات نے مذکورہ آیت فمن شاء فلیومن کے ذریعہ سے منسوخ مانا ہے لیکن یہ بھی درست نہیں ہے کیونکہ یہ آیت تو مکی ہے جبکہ آیت مصارف مدنی ہے،نیز ان دونوں آیتوں میں کوئی تعارض بھی نہیں کہ نسخ ماننے کی ضرورت پیش آئے اور نہ ہی حضرت عمر کے طرز عمل میں اس کی کوئی دلیل ہے کیونکہ عیینیہ بن حصن حضرت عمر سے زکات لینے نہیں آئے تھے بلکہ زمین کی درخواست لے کر آئے تھے، کچھ لوگوں نے حضرت معاذ کی حدیث توخذ من اغنیاء ہم الخ کو ناسخ مانا ہے، لیکن یہ بھی غلط ہے کیونکہ ایسی صورت میں تو فقیر کے سوا تمام مصارف منسوخ کرنا لازم آئے گا، نیز آیت وحدیث میں کوئی تعارض بھی نہیں ہے کہ منسوخ ماننے کی ضرورت پیش آئے۔

جو حضرات اس حکم کو اب بھی باقی سمجھتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن میں مولفۃ القلوب کے حصے کو بیان فرمایا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے مطابق زندگی بھر مولفۃ القلوب کو دیتے رہے، اور نسخ کے لئے کتاب وسنت میں کوئی دلیل موجود نہیں ہے (45).....

لیکن جیسا کہ ہم بیان کرچکے ہیں کہ کسی کی روایت میں صراحت نہیں ہے کہ کسی کافر کو اسلام کی طرف مائل کرنے کے لئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے زکات کی رقم دی ہو، اس لئے صحیح یہی ہے کہ کافر "مولفۃ القلوب" کے حکم میں شامل نہیں ہیں، اس لئے نہ تو نسخ کی ضرورت ہے اور نہ یہ کہنے کی حاجت ہے کہ پہلے ایک مقصد کے تحت دیا جاتا تھا اب وہ باقی نہیں ہے۔

حواشی:

(22)کتاب العشر والزکات /107عبدالصمد رحمانی (23)تذکرۃ الرشید /132
(24)فتاویٰ مظاہر علوم 319/1 (25)کفایت المفتی 269/4
(26)تفسیر ابن کثیر 451/2، المجموع 196/6، غایۃ المنتھی وشرحہ 141/2 (27)تفسیر ابن کثیر 451/2
(28)نیل الاوطار 166/4 (29)جامع البیان 161/10
(30)الجامع لاحکام القرآن 179/8(31) الام 61/2(32)رواہ الجماعۃ ، نیل الاوطار 114/4 (33) دیکھئے معارف القرآن 401/4
(34) صحیح مسلم 738/2، حدیث 138(35)سنن ترمذی مع تحفۃ الاحوذی 269/2، نیز صحیح مسلم 1806/4، کتاب الفضائل حدیث 59(36) صحیح مسلم 434/3، حدیث 132
(37)الجامع لاحکام القرآن 181/8 (38) جامع البیان 161/10
(39)ارواء الغلیل 370/3
(40)نیل الاوطار 169/4، روایت اسنادی حیثیت سے صحیح ہے۔ دیکھئے المجموع 206/6، ارواء الغلیل / 377-378
(41)المغنی 124/4(42)مواھب الجلیل 425/1(43)جامع البیان 163/10(44)اعنایۃ علی ھامش الفتح 201/3
(45)المغنی 124/4

اسلامی تجارت وقت کی ضرورت

بقلم :- مفتی محمد اجود اللہ پھولپوری

آگ پانی مٹی ھوا کے مجموعی پتلے کو زندگی گزارنے کیلیئے بہت سی شاھراھوں کا سہارا لینا پڑتا ھے اسلئے کہ زندگی بہت سارے راستوں کا مجموعہ ھے اور اسکو گزارنے کیلیئے انسان بہت ساری ضرورتوں کا محتاج ھے اور اسمیں بنیادی ضرورت روٹی کپڑا اور مکان ھے جسکو پورا کرنے کیلیئے انسان مختلف طرق و اطوار کا سہارا لیتا ھے کبھی ملازمت کرکے اس ضرورت کو پورا کرتا ھے تو کبھی تجارت کے زریعہ اس کی بھرپائی کی کوشش کرتا ھے

شریعت نے انسان کو رزق کے حصول کیلیئے کسی خاص طریقہ اور زریعہ معاش کا پابند نہیں بنایا ھے پر اس بات کی پابندی کو لازم قرار دیا ھیکہ جو بھی طریقہ اور پیشہ اختیار کیا جائے وہ از روئے شرع حلال اور جائز ھو رزق حلال کے حصول اور اسکے لئے تگ و دو کو شریعت نے عبادت قرار دیا ھے محبوب خالق کائنات کا فرمان ھے کہ" فرائض و واجبات کے بعد رزق حلال کا حصول فریضہ اور عبادت کی حیثیت رکھتا ھے "

کسب معاش کیلیئے سب سے اعلی و افضل طریقہ تجارت ھے اسلئے کہ شریعت بھی اسکی حوصلہ افزائی کرتی ھے اور اسکی افضلیت کیلیئے یہ بات بھی کافی ھیکہ انبیاء کرام علیہم السلام میں سے بہت سارے نبیوں نے اس راستہ کو اختیار کیا ھے خود خاتم النبین صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی تجارت کی غرض سے بہت سارے اسفار کی صعوبتیں اٹھائیں ھیں

رسول اللہ ﷺ نے تاجر کے بارے میں فرمایا کہ : سچے اور امانت دار تاجر کا حشر قیامت میں انبیا، صدیقین اور شہدا کے ساتھ ہوگا (ترمذی)

اللہ تعالی نے تجارت کو حلال قرار دیا ہے اور سود کو حرام ، **احل اللہ البیع وحرم الربو۔**

جبکہ دیکھا جائے تو دونوں میں ھی انسان اپنا پیسہ لگاتا اور نفع حاصل کرتا ھے پھر بھی سود حرام اور اس سے حاصل شدہ مال بے برکت اور تجارت کے راستہ حاصل کیا ھوا مال حلال اور بابرکت اسکی بڑی وجہ یہ ھیکہ تاجر نفع و نقصان سے پرے اللہ کے بھروسہ اپنی تجارت کرتا ھے اور سودیا بہر صورت اپنے طور پر نفع طے کرتا ھے - بہر حال وہ تجارت جو شرعی حدود کی رعایت کے ساتھ کی جائے وہ بڑی بابرکت اور اسلام کی نشر واشاعت میں اھم کردار اداء کرتی ھے اسلامی تاریخ اپنے دامن میں ایسے بہت سارے واقعات کو سمیٹے ھوئے ھے مشرقی ایشیاء اور افریقی ممالک کا اکثر حصہ عرب تاجروں کے توسط سے اسلام آشنا ھوا چوتھی صدی سے قبل ھندوستان کے ساحلی علاقوں پر عرب تاجروں کی دعوت اسلام کی کوششیں بارآور ھوئیں اگر آج بھی مسلمان شرعی اصولوں پر کاربند ھوکر دعوتی انداز سے واقفیت کے ساتھ میدان عمل میں پنجہ آزمائی کرے تو دنیاوی مال کے ساتھ آخرت کا مال بھی خوب جمع کرلے اور کفر کے اندھیروں میں اسلام کا چراغ بھی روشن کرتا چلاجائے

آج مسلمانوں کی معاشی پستی کی وجوھات کا جائزہ لیا جائے تو ایک اھم وجہ تجارت کا فقدان بھی ھے جسمیں اپنوں کی کمیوں کے ساتھ غیروں کی بھی ریشہ دوانیاں شامل ھیں تقسیم ھند کے بعد مسلمانوں کے صاحب ثروت طبقہ کی اکثریت سرحد پار اپنا مسکن بناچکی تھی ملک میں موجود مسلمانوں کی اکثریت معاشی طور پر غریب ھی نہیں فقیر بن چکی تھی اسکے بعد مسلمانوں نے عقلمندی کا مظاھرہ کرتے ھوئے چھوٹے چھوٹے کاروبار کا رخ کیا حتی کہ انپر اپنا تسلط بھی قائم کرلیا لیکن حکومتی منافقت یہ سب کچھ برداشت نہ کرسکی اور اُن علاقوں میں فسادات کا نہ رکنے والا سلسلہ شروع ھوا جہاں جہاں مسلمان معاشی طور پر مستحکم ھوچکا تھا -
جب مسلمانوں کے املاک کی تباھی آئے دن کا معمول بن گئی تو انھوں نے بیرون ملک ملازمت کا رخ کیا ایک بار پھر مسلمان معاشی بہتری کی طرف چل پڑا بیرون ملک کی آمدنی

نے خوشحالی تو ضرور پیدا کی لیکن اس خوشحالی کی سرمستیوں میں کھو کر مسلمان مستقبل کا لائحہ عمل تیار کرنے سے چوک گیا بیرون ملک سے آنے والے پیسوں کی چمک دمک نے معاشیات کو سوچنے اور سمجھنے والے دماغوں کو تھپکی دیدی نوجوان نسل بھی تعلیم وغیرہ کو ترک کر باھری ملکوں میں اپنا روشن مستقبل تلاش کرنے نکل پڑی پر کب تک ؟

آج بیرون ملک کی ملازمتیں ختم ھونے کی کگار پہ ھیں ایک بار پھر مسلمان معاشی طور پر تباھی کے دھانے تک پہونچ چکا ھے اور اس مرتبہ اسکے ذمہ دار ھم خود تنہا ھیں اس میں کسی اور کی شراکت نہیں اسلئے کہ سمجھداری کا تقاضہ یہ تھا کہ باھر سے آنے والی کمائی کو عیش وعشرت کی نزر نہ کرکے ٹھوس تجارت کے انتظام میں صرف کرتے نئ نسل کو ملازمت سے روک کر پلاننگ کے تحت تجارتی میدان کا شہسوار بناتے تھوڑی مشکلات ضرور ھوتی پر معاشی تباھی ھم سے بہت دوررھتی پر افسوس ھم ایسا کچھ انتظام نہ کرسکے جسکا نتیجہ آج سامنے ھے ابھی بھی وقت ھے اگر ھم اپنی نئ نسل کو اس بات پر آمادہ کرلیں کہ وہ اپنے وقت کا بیجا استعمال نہ کرتے ھوئے نئے عزم و حوصلہ کے ساتھ میدان تجارت میں کود پڑیں اور شرعی امور کی رعایت کرتے ھوئے خود کو اس میں لگادیں تو حالات قابو میں آسکتے ھیں یقینا دین محمدی پر عمل کرتے ھوئے حقوق اللہ اور حقوق العباد کی رعایت کے ساتھ اگر مسلمان تجارت میں قدم بڑھائے تو آج بھی وہ معاشیات پر اپنا تسلط قائم کرسکتا ھے ان شاءاللہ

فردوس نظر کے دیوانے تاریک فضا سے کیا ڈرنا : تو شمع نظر کو تیز تو کر ظلمت سے نظارے نکلیں گے.

مفتی محمد اجوداللہ پھولپوری

نائب ناظم مدرسہ اسلامیہ عربیہ بیت العلوم

سرائمیر اعظم گڈھ

ajwadullahph@gmail.com

اذان

بقلم :- مولانا محمد صابر القاسمی

اذان اسلام کے شعار میں سے ہے، مؤذن اذان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اعلان کرتا ہے، مؤمنین کو فلاح و بہبود کی طرف بلاتا ہے، اذان اسلامی معاشرے کی علامت ہے،خواب غفلت سے جگاتی ہے، ذمہ داری کا احساس دلاتی ہے، اوقات کا پابند بناتی ہے، چوکنا، ہوشیار اور بیدار رکھتی ہے، شریعت اسلامیہ میں اذان کی بڑی فضیلت ہے تاہم مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد ہے جو اذان دینے سے کتراتی ہے، مقام افسوس ہے کہ بہت سے مسلمان اذان دینے کی صلاحیت سے بھی اپنے آپ کو محروم رکھے ہوئے ہیں، انہیں اذان کے کلمات تک یاد نہیں ہیں۔

اذان بھی مسلمانوں کے ناروا سلوک کا شکار ہے اور عدم توجہی کا نشانہ بنی ہوئی ہے، عام طور پر ایسی آواز اور ایسے انداز کے مؤذن متعین ہوتے ہیں کہ وہ جب اذان دیتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ نیم خوابی کی حالت میں ہیں، الفاظ و مخارج کی ادائیگی ایسی کہ سمع خراشی کا لفظ جیسے ایسے اندازوں اور آوازوں کے لئے بنا ہے، دنیوی معاملات میں اعلیٰ درجے کو منتخب کیا جاتا ہے اور دینی امور میں کم خرچ میں کام چلانے پر اکتفاء کرلیا جاتا ہے، شہروں میں مؤذنین قدرے بہتر ہوتے ہیں لیکن گاؤوں اور دیہاتوں میں اکثر دانت ٹوٹے، چشم پر چشمے پڑے اور ایسے بزرگ (بوڑھے) مؤذن ہوتے ہیں کہ دوران اذان کھانسی آنا لازمی ہے، یہ سب دین کی طرف سے لاپرواہی اور بے توجہی کی علامت ہے۔

اذان کی اہمیت کو سمجھنے کی ضرورت ہے، قبول آواز اور قبول انداز مؤذن کا انتخاب ہونا چاہئے تاکہ اس کی خوبصورت آواز اور بہترین انداز اپنوں پر بھی اور غیروں پر اثر انداز ہو۔

ہمیں سنجیدگی سے مسائل پر سوچنا چاہیے

بقلم :- مولانا عبدالحمید نعمانی

ہم مسلمانوں کی یہ بڑی کمی ہے کہ ہم ابھی تک بہت سے لوگوں تک اسلام نہیں پہنچا سکے ہیں، لیکن اب غیر مسلموں کا یہ عذر زیادہ معقول نہیں رہ گیا ہے کہ اسلام کے متعلق ہمیں بتایا نہیں گیا، اسلامی عقائد، تعلیمات و احکامات، ہر زبان میں بآسانی دستیاب ہیں، صرف انگلی چلانے کی ضرورت ہے، ہندو، دو قسم کے ہیں ایک عام جمہور ہندو، دوسرے ہندوتو وادی فرقہ پرست تنگ نظر ہندو، یہ دوسری قسم کے ہندو ہی اصل مسئلہ ہیں، عام ہندو کو اذان سے کوئی دقت نہیں ہے، کبھی کبھار فرقہ پرست بھی اچھی بات کہہ جاتے ہیں، ونے کٹیار ایک بار ہمارے ساتھ ایک ڈیبیٹ میں تھے تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی توہین کی مخالفت اور لاؤڈ-اسپیکر پر آذان کی یہ کر حمایت کی کہ آذان کے وقت تو ہندوں کو بھی جاگ جانا چاہیے،

یہ ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ ہندوتو وادیوں کو تو سرے سے اذان اور مسجد بھی برداشت نہیں ہے، یہ پیدائشی تنگ ظاہر اور توحید مخالف ہوتے ہیں، یہ بنیادی آزادی تک کو تسلیم نہیں کرتے ہیں، جو ایک مہذب اور جمہوری سماج کی علامت اور بنیاد ہے، ہمارے لیے شرک اور بت پرستی قطعی ناقابل قبول ہے لیکن ہم دیگر کے مختلف طریق عقیدہ و عمل کی آزادی کو تسلیم کرتے ہیں، جب ہم بھجن کرتن، آرتی پر اعتراض نہیں کرتے ہیں تو پھر اذان پر اعتراض کیوں؟ یہ کس بات کی علامت ہے، تنگ نظری کی یا کشادہ نظری و وسعت ظرفی کی؟ کچھ کمی ہماری اپنی بھی ہے، دہلی سے متصل، غازی آباد سے دیوبند تک

مدرسوں، مسجدوں کی بھر مار ہے لیکن سامنے آ کر بہت کم کام کیا جاتا ہے ، ڈاسنہ مسوری کے علاقے کی 90/80 فی صدی آبادی مسلم ہے لیکن اتی نرسمہا نند سرسوتی سے وقت لے کر یہ پوچھنے کی زحمت کسی نے نہیں کی ہے کہ تم نے یہ کہاں پڑھ لیا کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ و سلم جس آدمی کے گھر نوکری کرتے تھے اسی کو قتل کر کے اس کی بیوہ سے شادی کر لی اور دولت پر قبضہ کر لیا، نعوذ باللہ، ہماری کئی چینلز پر اتی نرسمہا نند سرسوتی سے دسیوں بار بحثیں ہوئی ہیں ، وہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف نہیں چل سکے اور عموماً ہمارے موقف کے مطابق باتیں کیں اور ہندوؤں کے خلاف بولے ہیں، دہلی یونیورسٹی کے پروفیسر راگی بار بار کہتے ہیں کہ قرآن اور پیغمبر صاحب نے دارالحرب، دارالاسلام کی بات کر کے دنیا میں نفرت و تفریق پیدا کر دی ہے، ہم نے ان کا تعاقب کیا کہ قرآن اور پیغمبر نے کہاں پر دارالحرب اور دارالاسلام کی بات کہی ہے؟ یہ متن ہے یا حالات کی تعبیر؟ تو ان کی حالت خراب ہو گئی، ہمارے پاس بھی تیاری ہونی چاہیے، جس نے قدوری تک نہیں پڑھی وہ اسلامی اسکالر کیسے ہو سکتا ہے،؟ جمہوری نظام میں کسی فرد یا کمیونٹی کی پسند، ناپسند کا دیگر کو پابند نہیں بنایا جا سکتا ہے، لیکن لغو اور غیر ضروری، تکلیف دہ عمل روکا اور رک جانا چاہیے، سحری میں چاروں طرف سے شور مچانے کی ضرورت کیا ہے، ؟ایک بار شروع میں اور اختتام پر اعلان کافی ہے، مسلسل شور کرنے، نعتیں، قوالیاں، ملی جلی آبادی میں کس لیے؟ ہمیں سنجیدگی سے مسائل پر سوچنا چاہیے،

28/3/2021، عبدالحمید نعمانی،

میرے والد میرے مربی

بقلم :- مولانا محمد اکرم حنان قاسمی

مولانا عثمان احمد قاسمی علیہ الرحمہ --- پیدائش 1935 وفات1998------
بوقت صبح صادق اپنے آبائی وطن موضع لپری میں ضلع جون پور میں پیدا ہوئے تاریخی نام نصیب اختر تھا مولانا کاتعلق ایک مذہبی اور علمی گھرانے سے تھا، گھر پر اکثر شعر و سخن کے چرچے رہا کرتے اور علم و فن کی باتیں ہوا کرتی تھیں - مولانا عثمان احمد قاسمی علیہ الرحمہ کے والد مولانا سعید احمد صاحب رحمہ اللہ علیہ ایک باکمال شاعر ہونے کے باوجود مذہبی امور کے سخت پابند تھے - فرائض و نوافل و وظائف،تہجد اشراق تلاوت قرآن انکا ایسا معمول تھا جس میں کسی بھی حال میں فرق نہیں آنے پاتا تھا - ان کی زندگی درویشانہ و متوکلانہ تھی - انکی اس علمی و عملی زنگی کا عکس حسین اور روشن اثر چھوٹے بڑے سب پر نمایاں تھا - مسجد میں بڑوں کے ساتھ بچے بھی اسی طرح پابندی کے ساتھ جاتے تھے گویا ان پر بھی نماز بڑے لوگوں کی طرح فرض ہے - مولانا عثمان احمد صاحب کی ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی - قرآن حکیم اپنے بڑے بھائی حافظ عقیل احمد صاحب علیہ الرحمہ سے پڑھا - پھر اپنے برادر مکرم حضرت مولانا احمد صاحب علیہ الرحمہ کے ہمراہ شاہ گنج آگئے - یہاں برادر معظم مولانا جمیل احمد صاحب علیہ الرحمہ بانی مہتمم مدرسہ بدر الاسلام شاہ گنج کی سر پرستی میں مولانا عثمان احمد قاسمی علیہ الرحمہ کا داخلہ بدر الاسلام میں ہوا -یہاں فارسی اور عربی کا آٹھ سالہ نصاب مکمل کرکے آٹھ شوال سن 1372 کو دار العلوم دیوبند کے لئے روانہ ہوئے اس وقت کا دار العلوم اپنے نقش اول پر تھا ہر طرف علم و عمل،

تقوی' و طہارت کی بہار چھائی ہوئی تھی -جنید وقت ابو حنیفہ زمانہ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی قدس سرہ کی ضیا پاشیوں سے دار العلوم کی ایک ایک اینٹ جگمگارہی تھی - مولانا عثمان صاحب نے پہلے سال میں موقوف علیہ کی کتابیں پڑھیں - پھر سن 1374 ہجری میں دورہ حدیث حضرت شیخ الاسلام سے پڑھنے کا شرف حاصل ہوا - دار العلوم سے فراغت کے بعد بڑے بھائی مولانا جمیل احمد علیہ الرحمہ کی ایما سے مدرسہ بدر الاسلام شاہ گنج میں تدریس کا سلسلہ شروع کیا جو وفات تک جاری رہا - شعر و سخن اور تصنیف و تالیف کا ذوق شروع ہی سے تھا وقت گزرنے کے ساتھ اس میں مزید اضافہ ہوتا گیا کتابوں کے مطالعہ کیلئے سن 1964 عیسوی میں فیض جمیل لائبریری قائم کی جو اپنوں کی ناقدری کی وجہ سے دیمک کی نذر ہوگئی

تصنیف و تالیف.....مولانا عثمان احمد صاحب کی پہلی کتاب **ذکر جمیل** 1964 عیسوی میں شائع ہوئی - جس کو مولانا جمیل احمد صاحب علیہ الرحمہ کی وفات کے بعد ان کی سوانح کی حیثیت سے مرتب کی گئی تھی - اس کتاب میں ملک کے مشہور اہل قلم اور صاحبان علم کے مضامین بھی شامل ہیں جس میں ان اکابر نے مولانا جمیل احمد صاحب علیہ الرحمہ پر اپنے تاثرات کا اظہار فرمایا ہے اور خراج عقیدت پیش کیا ہے - 1969 عیسوی میں ایک مختصر تاریخ حضرت شیخ الاسلام کی حیات طیبہ پر ،، **حیات شیخ الاسلام ایک نظر میں**،، لکھا جو شائع ہوکر مقبول ہوئی - مولانا جمیل احمد صاحب علیہ الرحمہ کا مجموعہ کلام **فکر جمیل** کے نام سے مرتب کیا اور **مدرسہ بدر الاسلام کی چالیس سالہ تاریخ** مرتب کیا سیرت پاک پر ایک کتاب ؛؛ **سب کے نبی** ؛؛ کے نام سے تالیف کیا اور خلفائے راشدین

کے احوال پر ؛؛ **نجوم خلافت؛** ؛ کے نام سے ایک کتاب مرتب کیا مولانا عثمان احمد صاحب کے نام اکابر کے بہت سے خطوط تھے اس کو ؛؛ **اسکو چند بزرگوں کے خطوط**؛؛ کے نام شائع کرا یا ایک کتاب ،، **شیخ الاسلام کی بار گاہ** میں شاعروں کے کے نام سے مرتب فرمایا مولانا جمیل کے صاحب زا دے مولوی انس صاحب مرحوم کا مجموعہ کلام ؛؛ **گلدستہ ظرافت ؛؛؛** کے نا م سے ترتیب دیکر شائع کر ا یا - ایک بتیس 32 صفحے کی کتاب ؛؛؛ **دار العلوم دیوبند اہل نظر کی نظر میں** ؛؛؛ لکھی یہ سب کتابیں مقبول خاص و عام ہوئیں -بعض کتابوں کے کئی اڈیشن چھپے -

شاعری... مشق سخن میں مولانا عثمان احمد قاسمی علیہ الرحمہ کا کوئی باضابطہ استاد نہیں تھا شاعری کا فن مولانا عثمان احمد صاحب کو ورثے میں ملا تھا چونکہ مولانا کے والد مولانا سعید صاحب مرحوم اور خوبیوں کے ساتھ اچھے شاعر بھی تھے - اس لئے سب بھائیوں کو طبع موزوں حاصل تھا مولانا عثمان صاحب کے برادر معظم مولانا جمیل احمد صاحب علیہ الرحمہ زبردست نقاد و سخن فہم ہونے کے ساتھ باکمال شاعر اور ماہر فن ادیب تھے - اچھے اچھے شاعروں کا کلام ان کی نظر عمیق کی گرفت سے بچ نہیں پاتا تھا - مگر سبھی بھائیوں نے اس فن کو تفریح سے زیادہ حیثیت نہیں دی اور نہ تو اس فن کو ذریعہ معاش بنا یا مولانا کا مجموعہ کلام؛؛ ہدیہ عثمانی؛؛ جس کے چار اڈیشن ہدیہ ناظرین ہوچکے اس مجموعہ کلام کو مولانا عبد الماجد دریا بادی مرحوم، مولانا شاہ معین الدین صاحب مرحوم مولاناسید ابوالحسن علی ندوی علیہ الرحمہ جیسے صاحبان قلم اور مایہ ناز ادیبوں نے اپنی گرانقدر تقریظات سے آراستہ اور مزین کیا ہے

وفات...... چار رمضان المبارک سن 1417 مطابق چار جنوری سن 1998 کو اس مشہور نعت گو شاعر صاحب طرز ادیب اور صائب الرائے عالم کا وصال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

جلیل القدر عالم دین مولانا نثار احمد بستوی کا سانحہ ارتحال

بقلم :- مفتی شرف الدین عظیم قاسمی

تعلیم وتدریس اور اصلاح وتربیت کی دنیا میں اس مادی عہد میں جن لوگوں نے تاریخ ساز،اور روشن نقوش چھوڑے ہیں ان میں ایک نمایاں نام مولانا نثار احمد صاحب قاسمی بستوی کا بھی ہے۔نصف صدی پر محیط جن کے چشمۂ علم وعرفان نے انسانی قلوب کی سوکھی ہوئی کھیتیوں کو سیر اب کیا ہے'اور نخل ہائے ایمان ویقین ، علم و تحقیق اور شجرہائے طریقت و معرفت سے انہیں شاداب کیا ہے،

مولانا نثار احمد صاحب قاسمی ایک فیض رساں مدرس تھے اور فنون پر نگاہ رکھنے والے زبردست معلم بھی، دلوں میں ایمانی حرارت پیدا کرنے والے خطیب ومقرر بھی تھے اور شستہ وشگفتہ اسلوب کے حامل نثر نگار بھی تھے،ان کا ذہن اخذ واکتساب کے ساتھ ساتھ ملکہ ترسیل وانتقال سے معمور تھا، اس کے علاوہ وہ بلند تخیل،گہری بصیرت،لسانی وادبی اعتبار سے شعری شعور کے بھی حامل تھے، درس نظامی کی تمام کتابوں اور فنون پر انہیں دسترس حاصل تھی، ان کی ذات متعدد کمالات کا مجموعہ تھی مگر جس چیز اور جس وصف نے انہیں اپنے ہم عصروں میں ممتاز کیا اور انفرادیت عطا کی وہ ان کی تدریسی صلاحیت،فن پر عبور،اور موضوعات ومباحث نیز کتابوں کے مضامین کی تشریحات پر قدرت اور ان تشریحات ومطالب کے ذریعے علوم و فنون کی ترسیلات پر حیرت انگیز مہارت تھی، وہ غامض اور دقیق فنون کو آسان انداز میں ذہنوں میں اتار دیتے تھے،یہی وجہ ہے کہ ان کے فیضان سے مستفیض ہونے والے پروانے ان کی ذات کے اسیر ہو کر

رہ گئے، اور ہمیشہ ان کی صلاحیتوں اور فلک رسا فکر ونظر کے نغمے گاتے رہے۔
ان اوصاف کے علاوہ مولانا نثار احمد صاحب قاسمی بلند کردار کے حامل، اعلیٰ اخلاق کے مالک،اور انسانیت کی اعلیٰ قدروں کے امین بھی تھے۔وہ نہایت سادہ،متواضع ،بے نفس تھے، ان کے یہاں کسی قسم کا کرو فر تھا نہ ہی نمود و نمائش کا گذر،بلکہ ان کی زندگی کردار دلبرانہ اور اوصاف قلندرانہ کا روشن نمونہ تھی، اپنے تلامذہ اور شاگردوں کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ان کی تعمیر وترقی کے لئے کوشاں رہتے ان سے روابط رکھتے تھے، بڑوں اور بزرگوں کا احترام وقدردانی اور چھوٹوں پر شفقت ان کی زندگی کے نمایاں عنوان تھے۔
حضرت مولانا نثار احمد صاحب قاسمی استاذ العلماء اور وقت کے شیخ المشائخ حضرت مولانا اعجاز احمد اعظمی نوراللہ مرقدہ سے بے پناہ عقیدت رکھتے تھے،مولانا اعظمی کی محبتوں سے ان کا قلب معمور تھا، دونوں کے درمیان بہت گہرے مخلصانہ مراسم تھے، حضرت مولانا اعظمی بھی ان کی بہت قدر کرتے تھے، مولانا قاسمی مرحوم حصول نیاز کے لئے بستی سے اکثر شیخوپور کا سفر کرتے اور سرمایہ صحبت کے حصول کے لیے قیام کرتے، مولانا اعظمی کی حکایت ہستی پر انھوں نے بہت شاندار اور جامع مقدمہ لکھا ھے اس کے علاوہ بھی کئی کتابوں پر آپ کی تقریظات اور مقدمے ہیں اور بہت جامع اور خوبصورت اسلوب میں ہیں۔
مولانا قاسمی6/دسمبر 1949/کو ضلع بستی کے گاؤں گلہریا میں ایک خوشحال خاندان میں پیدا ہوئے، جد امجد حکم دار زمیندار تھے مگر مشرقی اقدار کے ساتھ ساتھ اسلام پسند اور دیندار بھی تھے والد محترم محمد صالح صالحیت اور دینداری کا نمونہ تھے، خاندان علمی اگرچہ نہیں تھا مگر دین وشریعت کے نغموں سے فضا معمور تھی،اسی ماحول نے آپ کو دینی علوم کے راستے ہموار کئے۔چناچنہ مکتب کی تعلیم کا آغاز مدرسہ اسلامیہ گلہریا سے ہوا اور 1960/میں یہ مرحلہ

مکمل ہوگیا،پرائمری کے بعد حفظ قرآن کے لئے مدرسہ مصباح العلوم برگدوا مہراج گنج میں داخل ہوئے مگر یہاں طبیعت نے ساتھ نہیں دیا اور چیچک کی بیماری نے آپ کی بینائی چھین لی بالآخر بارہ تیرہ پارے حفظ کے بعد اہل خانہ کے حکم پر حفظ کی تعلیم ترک کردی،اور اسی ادارے میں عربی شعبے میں داخل ہوگئے،عربی اول کی تکمیل کے بعد 1963 / میں مدرسہ نور العلوم بہرائچ چلے گئے اس وقت مدرسہ نور العلوم بہرائچ کی علمی و تربیتی خدمات کا مشرقی یوپی ہی نہیں بلکہ پورے ملک میں طوطی بولتا تھا،یہاں آپ نے عربی ششم تک تعلیم حاصل کی اور اس وقت کے جید علماء مولانا سلامت اللہ صدر المدرسین اور مولانا حبیب احمد صاحب سے خاص طور سے استفادہ کیا، 1970 / میں دارالعلوم دیوبند میں موقوف علیہ میں داخلہ لیا اور اس عظیم ادارے میں موجود فکر وفن کے آفتاب و ماہتاب خاص طور سے مولانا وحیدالزماں کیرانوی،مولانا فخر الدین مراد آبادی اور قاری طیب صاحب سے فیض حاصل کیا، فراغت کے بعد راجستھان کے ایک ادارے میں آٹھ سال تک عربی شعبے میں تدریس سے منسلک رہے۔

بعد ازاں مولانا باقر حسین صاحب قاسمی مہتمم دارالعلوم اسلامیہ بستی کی خواہش پر دارالعلوم اسلامیہ بستی میں بحیثیت استاذ تشریف لائے اور تدریس سے وابستہ ہوگئے، اس ادارے میں آنے کے بعد آپ نے کہیں اور نگاہ نہیں کی،اور یہیں کے ہوکر رہ گئے،اور زندگی کی آخری سانس تک علم و تحقیق، فکر وفن اور اصلاح وتربیت کے ذریعے ایک دنیا کو سنوارتے رہے، وہ راہ طریقت کے سالک اور میکدہ معرفت کے بھی بادہ خوار تھے،انھوں نے اس جہت سے بے شمار لوگوں کی زندگیوں میں انقلاب پیدا کیا، خوابیدہ قلوب میں بیداری کی لہر پیدا کی، ایمان کی شمعیں روشن کیں، زندگی کے تاریک راستوں میں معرفت کے چراغ جلائے،اور ان راستوں پر ایک دنیا کو گامزن کیا۔

سلوک وعرفان میں آپ مولانا مسیح اللہ خان جلال آبادی سے وابستہ تھے،اس کے بعد قاری

صدیق احمد باندوی کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے،اخیر میں مولانا عبدالرحیم صاحب خلیفہ مولانا اسعد مدنی کے در فیض سے منسلک ہوئے اور انہیں سے آپ کو اجازت و خلافت حاصل ہوئی۔۔۔

آپ نے بھری پری،جد وجہد مسلسل علمی،ادبی ،شعری تدریسی ،اور اصلاحی سرگرمیوں سے بھر پور، اور استقلال واستقامت اور صبر ورضا کے اوصاف کے ساتھ قابل رشک اور عہد آفریں زندگی گذاری ہے۔کاروان ہستی ۔زندگی کی خار زار راہوں پر چلتے چلتے اب تھک چکا تھا، جسم کی قوت ،چستی اور نشاط زندگی کا ساتھ چھوڑ چکی تھی، حوصلوں کو پست کردینے والے سنگین امراض میں طویل عرصہ سے آپ مبتلا تھے اور صاحب فراش تھے، متعدد عوارضات نے جسم کو اپنے حصار میں لے رکھا تھا، آخر کار طویل علالت کے بعد 16 /مارچ 2021 /بروز منگل دوپہر کے وقت نصف صدی سے اپنے متنوع اور ہفت رنگ کارناموں کے ذریعے اپنے فیضان سے ایک عالم کو سیراب کرنے والی زندگی اس دنیا سے رخصت ہوکر عالم بقا کی طرف روانہ ہوگئی۔۔۔

عین انتقال کے وقت قصبہ نوتنواں ضلع مہراج گنج میں حضرت مولانا اعجاز احمد اعظمی رحمت اللہ علیہ کی شخصیت پر ایک پروگرام چل رہا تھا،اس خبر نے ایک طرح سے افسردگی طاری کردی،یہاں ہم اس پوزیشن میں نہیں تھے کہ جنازے میں حاضر ہوں، دوسرے روز حضرت اعظمی کے صاحبزادے مولانا عامر قاسمی اور رفیقِ محترم مولانا قمر الحسن صاحب قاسمی اور دیگر حضرات جنازے میں شرکت کے لئے مرحوم کے دولت کدے پر تشریف لے گئے، اللہ تعالیٰ حضرت مولانا نثار احمد صاحب قاسمی کی قبر کو نور سے بھر دے،اسے جنت کے ٹکڑے میں تبدیل فرمادے،ان کی خدمات جلیلہ کا بہترین بدلہ عنایت فرمادے۔آمین

شب براءت (نجات والی رات)

بقلم :- مفتی محمد شاہد مغنی قاسمی خیرآبادی

شب براءت ہم پر بہت جلد سایہ فگن ہونے والی ہے، احادیثِ شریفہ میں اس رات کی بڑی فضیلت و اہمیت بیان کی گئی ہے یہ نہایت عظمت و فضیلت اور برکتوں والی رات ہے ،دیگر راتوں کی طرح یہ رات بھی مغرب سے شروع ہوکر صبح صادق پر ختم ہوتی ہے، پوری رات بخششوں اور رحمتوں کا نزول ہوتا ہے اس مبارک رات میں اللہ تعالیٰ اپنے بے شمار بندوں کو معاف فرماکر انہیں جہنم سے آزادی کا پروانہ نصیب فرماتا ہے، اس فضیلت و عظمت کا تقاضا یہ ہے کہ اس رات میں عبادتوں کا خاص اہتمام کیا جائے، عشاء اور فجر کی نمازیں وقت پر ادا کریں، بقدر ہمت نوافل، ذکر و تلاوت اور دعاؤں وغیرہ کا اہتمام کریں، وہ شخص بڑا بد نصیب ہے جو اس مبارک رات کو پائے مگر اللہ کی طرف رجوع نہ ہو اس کی رحمتوں اور برکتوں سے محروم رہ جائے اور اس کی مغفرت و بخشش کا فیصلہ نہ ہوسکے،

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس مبارک شب کی ایک ایک لمحے کی قدر کرنے کی توفیق عطاء فرمائے، اس کی برکتوں اور رحمتوں سے مستفید فرمائے، محرومی اور شقاوت سے محفوظ رکھے ۔ آمین

تعارف مجلہ "عکس " مولانا اعجاز احمد اعظمی نمبر

بقلم :- مولانا ضیاء الحق خیرآبادی (حاجی بابو)

زیر نظر کتاب (مجلہ "عکس " مولانا اعجاز احمد اعظمی نمبر)استاذ محترم مولانا اعجازاحمد صاحب اعظمی علیہ الرحمہ کی جامع کمالات شخصیت کا تعارف اور ان کی دینی وعلمی خدمات کا بہترین مرقع ہے ۔ مولانا کس پایہ کے عالم ، کیسے مدرس و مربی ، مقررو خطیب ، اور مصنف وادیب تھے ، اس کا کسی قدر اندازہ اس سے ہوسکے گا ، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ان کے علوم ومعارف اور خصوصیات کا دسواں حصہ بھی ظاہر نہیں ہوسکا ۔

یہ مجلہ ۵۲۰ صفحات پر مشتمل ہے ۔ ابتداء میں ۱۴ صفحات پر مشتمل مضامین کی مفصل فہرست ہے۔اس کے بعد مدیر تحریر مولانا عرفات اعجازاعظمی نے اداریہ میں اس مجلہ میں شائع ہونے والے مضامین اور مولانا کی وفات کے بعد ان پر ہونے والے کاموں کابہترین انداز میں تعارف کرا یا ہے ۔ پھر مقالات کا سلسلہ شروع ہوتا ہے ، پہلا مقالہ حضرت مولانا کے شاگرد رشید، معروف صاحب قلم عالم، مولانا اختر امام عادل صاحب کا ہے ، جو ۴۰ صفحات پر مشتمل ہے ، جس میں انھوں نے الگ الگ موضوعات کے تحت مولانا کی علمی خدمات کا بہترین تجزیہ پیش کیا ہے ۔ پہلا موضوع " قرآنی بصیرت وخدمات ہے ۔ دوسرا "علم حدیث اور خدماتِ جلیلہ " ہے ۔ تیسرا " مولانا کا تفقہ اور خدماتِ فقہیہ" ہے ۔ چوتھا " علم تصوف واخلاق اور خدمات جلیلہ "ہے۔ پانچواں " علم کلام اور معقولات " ہے ۔ اس میں ہر موضوع پر موجود ودستیاب مولانا کی تحریروں اور اپنے مشاہدات کی روشنی میں نہایت سیر حاصل بحث کی ہے ، اس سے مولانا کے بلند علمی مقام کا اندازہ ہوتاہے۔

مولانا کی علمی حیثیت کے بارے میں جو لوگ جاننا چاہتے ہیں ان کے لئے اس کا مطالعہ انتہائی مفید ہو گا۔

اس کے بعد ڈاکٹر کلیم عاجز صاحب کی ان متفرق تحریروں کو یکجا کیا گیا ہے ، جو ان کے مختلف مضامین ومکاتیب میں مولانا کے متعلق ہیں ۔ اس کے بعد مولانا کے دوست اور ان کے ساتھ طویل عرصہ تک ساتھ رہنے والے مولانا انوار احمد صاحب اعظمی کا مضمون ہے،جو ۳۲ صفحات پر مشتمل ہے ، جس میں مولانا کے مختلف کمالات و خصوصیات پر روشنی ڈالی گئی ہے ، اس میں بعض معلومات تو ایسی ہیں جن کا علم مجھ جیسے قریب رہنے والے کو پہلی باراسی مضمون سے ہوا۔ بہترین اور لائق مطالعہ مضمون ہے۔

تیسرا مضمون میرا ہے جو تقریباً ۱۲۰ صفحات پر مشتمل ہے ، " مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی : محاسن وکمالات اور میرے مشاہدات وتاثرات"میں نے اس میں مولانا سے متعلق اپنی یادوں کو سمیٹنے کی کوشش کی ہے ، اس سے مولانا کے علم وفضل ، انداز تدریس و تربیت ، ذوق ومزاج اورافکار ونظریات کا علم ہوتا ہے،مضمون کے اخیر میں ان کے متعلق اکابر علماء کی آراء وخیالات کو بھی میں نے جمع کردیا ہے کہ یہ معلوم ہو کہ ان اکابر کی نگاہ میں مولانا کا کیا مقام تھا۔ اس سے پہلے مولانا کی شخصیت پر شائع ہونے والے مجلہ " سراپا اعجاز " میں بھی ایک مفصل مضمون میں نے لکھا تھا ، تکرار سے بچنے کے لئے اُس مضمون کا کوئی حصہ اس میں نہیں لیا ہے۔

اس کے بعد مولانا سعداللہ صاحب قاسمی (مدھوبنی) کا مضمون " کچھ یادیں ، کچھ باتیں " ہے ۔ جو ۱۵ صفحات پر مشتمل ہے۔اس کے بعد مدیر مسئول مولانا قمر الحسن قاسمی کا ۲۳ صفحات پر مشتمل تفصیلی مضمون ہے ،جس میں انھوں نے مولانا کے مختلف واقعات ونصائح

اور ان کی تلقین کردہ دعائیں نقل کی ہیں ۔ اس کے بعد مولانا ابن الحسن قاسمی کا مضمون " انفرادیت وخصوصیات " ہے جو ۲۰ صفحات پر مشتمل ہے۔اس کے بعد معروف صاحب قلم مولانا ڈاکٹر ابرار احمد اجراوی کا مضمون ہے ، جس میں مولانا کی زندگی کا اپنے مخصوص انداز میں اجمالی جائزہ لیا ہے۔اس کے بعد ۴۰ صفحات پر مشتمل مولانا صبیح الحسن گورکھ پوری کا ایک مفصل مضمون " مولانا اعجاز احمد اعظمی : کماوجدتہ "ہے، جس میں انھوں نے مولانا کو جیسا دیکھااورپایا، اپنے قارئین کو بھی بتانے یا دکھانے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ میرے عزیز دوست اور مدرسہ شیخ الاسلام کے سابق استاذ مفتی فیض احمد اعظمی کا مضمون " مدرسہ شیخ الاسلام میں شیخ الاسلام والمسلمین " بھی مختصر ہونے کے باوجود بڑی اہمیت کا حامل ہے۔اس کے بعد مولاناکے دو شاگرد مولانا محمد موسیٰ قاسمی اور مفتی مرغوب الرحمن مہراج گنجی کے مضامین ہیں۔

مجلہ کاتیسرا باب مولانا کے بعض علمی ودعوتی اسفار کی روداد پر مشتمل ہے ، جو مولانا مفتی شرف الدین قاسمی شیخوپوری کے قلم سے ہے۔ یہ مولانا پر لکھی گئی ان کی غیر مطبوعہ سوانح کا ایک حصہ ہے۔چوتھا باب مولانا کی تین کتابوں کے تعارف وتجزیے پر مشتمل ہے پہلی کتاب مولانا کی خودنوشت سوانح "حکایت ہستی "ہے، جس کا تعارف جناب نایاب حسن صاحب نے لکھا ہے۔ دوسری کتاب مولانا کے اداریوں کا مجموعہ " حدیث دردِ دل " ہے جو انتہائی اہم مضامین پر مشتمل ہے ،اور موجودہ حالات میں مسلمانانِ ہندکے لئے مشعل راہ ہے۔ اس کا تعارف نوجوان صاحب قلم عالم مفتی محمد اجمل صاحب قاسمی ، استاذ مدرسہ شاہی مرادآباد نے لکھا ہے ، مفتی صاحب نے ۲۰ صفحات میں نہایت تفصیلی تعارف رقم فرمایا ہے، جس میں کتاب کی اہمیت ، اور اسکی خصوصیات وامتیازات پر مفصل گفتگو کی ہے

بطور خاص اس کے مطالعہ کی سفارش کی جاتی ہے۔ تیسری کتاب مولانا کا سفرنامہ حج "بطواف کعبہ رفتم" ہے، جو اس اعتبار سے شاید دنیا کا واحد سفرنامہ حج ہو گا جس میں کسی شخص کے تمام اسفار حج کی روداد موجود ہو۔ معروف صحافی وادیب جناب سہیل انجم صاحب نے اپنے مخصوص انداز میں اس کا بہترین تعارف کرایا ہے۔

پانچواں اور آخری باب جو ایک اہم علمی دستاویز بھی ہے، ان خطوط پر مشتمل ہے، جو مولانا کے اکابرین ومعاصرین نے ان کو لکھے تھے، یہ تقریباً ۱۱۵ صفحات پر مشتمل ہے، جس میں ۴۲ لوگوں کے خطوط ہیں۔

اخیر میں دو ضمیمے ہیں، جس میں معروف ادیب مولانا اسیر ادروی کے اس مضمون کا تعاقب کیا گیا ہے کہ جو انھوں نے اپنی کتاب "کاروانِ رفتہ" کے جدید اڈیشن میں مولانا پر لکھا ہے، ان کا پورا مضمون غلط سلط معلومات اور سنی سنائی افواہی روایات پر مشتمل ہے، پہلے ضمیمہ میں ان معلومات کی تردید کرکے درست معلومات کو درج کیا گیا ہے، اور دوسرے ضمیمہ میں مولانا اسیر ادروی کے ہی طرز پر درست معلومات کی روشنی میں مولانا کا ایک مختصر وجامع تعارفی مضمون لکھا گیا ہے۔

مجلہ کا اختتام اس کے مدیر مسئول مولانا قمر الحسن قاسمی کے "کلمات تشکر" پر ہوتا ہے، جس میں انھوں نے مجلہ عکس کے اجرا کا مقصد اور تمام معاونین کا شکریہ ادا کیا ہے۔

اس خاص نمبر کی عام قیمت ۵۰۰ روپئے اور رعایتی ۲۵۰ روپئے ہے۔

غـــــــزل

بقلم :- مفتی محمد رضوان اعظمی

وہ جو ہم سے گلہ نہیں کرتے
حقِّ الفت ادا ـــــ نہیں کرتے

غیر سے شکوۂ جفا ـــــ کیا ہو
اب تو اپنے ہی کیا نہیں کرتے

آخرش لوٹ کر ـــــ وطن چلئے
شہر سب کے ہوا نہیں کرتے

جانے کس آہ میں اثر ہو جاے
ہر کسی سے جفا نہیں کرتے

ہر کسی کو وہ بے وفا سمجھیں
"جو کسی سے وفا نہیں کرتے"

کچھ تو زندہ بھی لاش جیسے ہیں
کچھ تو مر کر مرا نہیں کرتے

بات کی بات ہی نہیں رضواں
رخ سے رخ بھی ملا نہیں کرتے

دو ٹوک بات

بقلم :- مولانا کلیم احمد نانوتوی

ہمارے والد ماجد کے متعلقین میں ایک صاحب غیر مسلم بھی ہیں، جو گزشتہ تقریبا ۳۰ برس سے نہ صرف یہ کہ آر ایس ایس کے فعال و سرگرم رکن ہیں؛ بل کہ عہدہ یافتہ بھی ہیں۔ پچھلے دنوں ان کی ملاقات مجھ سے ہوئی، ان کی شناخت، لوگوں کے سامنے لمبے لمبے جملے بول کر مد مقابل کو خاموش کر دینے کے وصف سے ہے، اپنے آپ کو ہی عقل مند سمجھتے ہیں اور خود سے زیادہ ہوشیار کسی کو بھی تسلیم نہیں کرتے۔

علیک سلیک کے بعد کچھ دیر تعلیم سے متعلق باتوں پر تبادلۂ خیال ہوتا رہا، پھر کہنے لگے کہ : آپ کے مذہبی راہ نما، قرآن کی تعلیم دے کر لوگوں کو بھڑکانے اور ملک میں فسادات کرانے کی سازشیں کرتے ہیں؛ نیز آپ کی مذہبی کتاب : قرآن بھی صرف جنگ پر آمادہ کرتی ہے۔

ان کی یہ باتیں سن کر میرے چہرے پر ہلکا سا تبسم آیا، پھر میں نے بے زاری والے لہجے میں کہا کہ : آپ ٹھیک ہی کہتے ہیں؛ کیوں کہ ملک کے جملہ فسادات کی پشت پر ہمارے علما کا ہی ہاتھ ہے اور یہی لوگ، ملک کے باسیوں کو آپس میں لڑاتے رہتے ہیں، جس سے ملک کا نقصان ہوتا ہے۔ میں نے مثال کے طور پر گجرات فسادات کا ذکر چھیڑ دیا کہ وہاں ہمارے مذہبی راہ نماؤں نے ہی قرآن پڑھنے والوں کو بھڑکا کر آپس میں لڑا دیا؛ لیکن میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ قاتلین نے مسلمان ہو کر بھی مسلمانوں کا ہی خون کیوں بہایا؟ یہ سنتے ہی وہ شرم کے مارے گردن جھکا کر بیٹھ گئے۔ پھر میں نے کہا کہ

مظفر نگر فسادات میں بھی مولویوں کا ہی ہاتھ تھا، جس میں قرآن کے ماننے والوں نے غیر مسلح غیر مسلموں کے گھروں میں گھس کر توڑ پھوڑ کی تھی اور پھر مجرمین کی فہرست میں آنے سے بچنے کے لیے اپنے گھر بار چھوڑ کر ہجرت کر گئے تھے اور ان کو جمعیت والوں نے پناہ دی تھی۔

اب وہ تھوڑی ناراضی جتا کر کہنے لگے کہ مولوی صاحب! ہم تو آپ کے ساتھ محض مذاق کر رہے تھے، ہماری تفریح سے آپ کو قلق ہوا ہو تو ہم معافی چاہتے ہیں، اب براہ کرم ٹھہر جائیں؛ لیکن میں نہیں رکا اور مسلسل تیز آواز میں بولتا رہا کہ ملک کے جاں باز فوجیوں پر پلوامہ اٹیک بھی تو ایک مولوی نے ہی کرایا تھا، وہ مجھے گھورنے لگے میں نے کہا کہ نام نہیں پوچھیں گے اس مہان مولوی کا؟ ان ہوں نے پھنسے ہوئے ہونے کی وجہ سے روہانسی آواز میں کہا کہ بتا دیجیے۔ میں نے کہا کہ: اس کا نام مولوی نریندر مودی ہے۔ وہ خاموش ہی رہے اور اپنی قسمت پر پچھتاتے رہے کہ آج کس کا منھ دیکھ لیا۔

پھر میں نے کہا کہ جناب! ملک میں نفرت پھیلانا بند کیجیے، محبت بانٹیے، کسی بھی مذہب کے پیرو کو مت ستایئے، تبھی آپ بھی ملک کے اندر سلامتی اور خوش حالی سے زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ نہیں تو وہ دن دور نہیں جب آگ کی لپٹیں آپ کے مکان کو بھی گھیرے ہوں گی۔

وہ دل ہی دل میں کڑھتے، مجھ پر غصہ کرتے اور چہرے پر مصنوعی مسکراہٹ لانے کی کوشش کرتے اپنے گھر کی جانب چل پڑے، اور میں یہ کہہ کر ان کے زخموں پر کہ نمک چھڑکنے لگا کہ: "جلد ملیں گے"

دعوتِ فکر و عمل

بقلم :- مولانا محمد واصل اعظمی قاسمی

سرسری نظر سے دیکھا جائے تو صرف ایک فوٹو
تھوڑا غور سے نظر ڈالی جائے تو فوٹو میں ایک ریل گاڑی نظر آجائے گی جو پٹریوں پر دوڑ رہی ہے
اگر غور و فکر دونوں کے ساتھ دیکھا جائے تو ہمیں اپنی پوری زندگی اس تصویر میں نظر آئے گی
جی ہاں ـــــــ یہ ایک ریل گاڑی ہے
جو منزل مقصود کی جانب رواں دواں ہے
اپنے ارد گرد سے بے خبر ہدف پر نگاہ جمائے ہوئے سرپٹ دوڑ رہی ہے
کبھی ہچکولے کھاتی ہے تو
کبھی بل کھاتی ہے
ناگن کی طرح کہیں کہیں لہراتی بھی ہے

کبھی سر سبز و شاداب جگہوں سے گزرتی ہے تو کبھی بے آب و گیاہ صحراؤں میں پھرتی ہے
کبھی باغات کے نظارے کرواتی ہے تو کبھی جنگلات میں پہونچاتی ہے
کبھی دریاؤں کا سینہ چیرتے ہوئے آگے بڑھتی ہے تو کبھی پہاڑوں کی بلندیوں کا سامنا کرتی ہے

مگر منزل سے بھٹکتی نہیں
منزل کو بھولتی نہیں
ہدف کو فراموش نہیں کرتی
اور آخر کار دیر سویر اپنے مشن کو حاصل کر ہی لیتی ہے
اسی طرح ایک انسانی زندگی ہوتی ہے
کبھی خوشی کبھی غم
کبھی دکھ کبھی سکھ
کبھی راحت کبھی رنج
کبھی سکون کبھی الم
کبھی خزاں کبھی بہار
کبھی خوشیاں کبھی مصیبتوں کے پہاڑ
ہر طرح کے حالات زندگی میں آتے ہیں
انسان ادھر ادھر بھٹکتا ہے
مگر زندگی ایک ہی راستہ پر جاتی ہے
اور وہ ہے دار آخرت
چاہے کوئی صحراؤں کا راستہ اختیار کرے یا پھر ہرے بھرے باغات کے راستے

پہونچنا تو بہر حال یوم الجزاء ہی ہے
عقلمند انسان وہی ہے جو منزل مقصود کی جانب سے کوچ کرنے سے پہلے اپنا ریزرویشن کروا لے
سفر کی تیاریاں کر لے
زاد راہ اختیار کر لے
ورنہ تو سب ہی دھکے کھاتے ہوئے اللہ کے سامنے پیش ہونگے
کچھ چہرے کھلے ہونگے
مسکراہٹ بکھیر رہے ہونگے
خوش و خرم ہون گے
اور وہیں کچھ چہرے حسرت و یاس کی آماجگاہ ہوں گے
ذلت و خوارگی نمایاں ہوں گی
جیسے ٹرین کے ڈبے میں مختلف احوال ہوتے ہیں
فرسٹ اے سی
سکینڈ اے سی
تھرڈ اے سی
ریزرویشن
جنرل
معذور کے لئے
مہیلاؤں کے لئے
جو ٹکٹ لے کر اصول و ضوابط کی پابندی کے ساتھ سفر کرتا ہے وہ آرام و سکون کے

ساتھ منزل تک رسائی حاصل کر لیتا ہے
مگر جو اصول و ضوابط کو نظر انداز کرتے ہوئے سفر کرتا ہے تو اولا تو اس کا چین و سکون
ہی غائب رہتا ہے
کبھی کبھی منزل سے پہلے ہی سفر ختم ہوجاتا ہے
پھر کئی طرح کی پریشانیوں کے بعد منزل ملتی ہے
اسی طرح جب انسان اللہ کے بتائے ہوئے احکامات کے مطابق زندگی گزارتا ہے تو چین و
سکون کے ساتھ منزل مل جاتی ہے
اللہ کے احکامات کی خلاف ورزی کرنے کبھی خود کو دریاؤں کے حوالے کرتے ہیں تو کبھی
پھانسی کے پھندے کو گلے لگاتے ہیں
لیکن تب بھی سکون حاصل نہیں ہوتا
میں بھی زندگی کے اسی سفر میں ہوں
جی ہاں -- پونہ سے دہلی کا سفر ہے
دعا فرمائیں اللہ ربّ العزت خیر و عافیت کے ساتھ منزل تک پہنچائے
---- م --- و -- اعظمی

ایک مثالی باپ کا مثالی کردار

بقلم :- مولانا محمد یعقوب صاحب

ملیشیا میں عام طور پر دسویں یا بارہویں کا امتحان دینے کے بعد نتیجہ کے لئے تین سے پانچ مہینہ کا انتظار کرنا پڑتا ہے , نیز نتیجہ اچھا آنے پر کسی بڑے ادارے یا یونیورسٹی میں داخلہ کے لئے اپلیکشن کی منظوری میں بھی تین سے پانچ مہینہ کا وقت لگتا ہے .اس طرح آٹھ سے دس مہینہ ہر طالب علم کے پاس فارغ وقت ہوتا ہے.

اس موقع کو غنیمت جانتے ہوئے بچوں کے والدین ان کو مختلف جگہوں پر عارضی طور پر کام کے لئے لگادیتے ہیں اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے بچے اس مختصر مدت کے لئے خود کفیل ہوجاتے ہیں ان کے اندر احساس ذمہ داری پیدا ہوتا ہے پیسہ کی قدر معلوم ہوتی ہے اور سب سے اہم چیز کھلے ماحول میں بیکار وقت ضائع کرنے سے بچ جاتے ہیں .

چھٹی کے اس موقع پر ہماری دکان پر بے شمار بچے کام مانگنے آتے ہیں, حسب ضرورت کبھی کبھی ہم لوگ کسی ایک کو رکھ لیتے ہیں خصوصاً رمضان میں ایک یا دو کو ضرور کام پر رکھتے ہیں.

پچھلے مہینہ سے چچا گھر پر ہیں میں دکان میں اکیلا ہوں, تعلیمی مصروفیت کے باعث چچا نے جاتے ہوئے کہا بھی تھا کہ اگر ضرورت پڑی تو کسی کو کام پر رکھ لینا, چچا کے جانے کے ایک ہفتہ بعد اتفاقا ماسٹر محمد ازمن "جو بہت نیک پرہیز گار صوم وصلاۃ کے پابند ہیں , موصوف ہر سال میرے پیچھے مسجد یا دکان میں تراویح میں مکمل قرآن سنتے ہیں اس لئے ہم سے بہت گہرا تعلق رکھتے ہیں خود سرکاری ماسٹر ہیں ان کی بیوی بھی ماسٹر ہے" اپنے

بچے کے ساتھ آئے اور کہا مولانا اس کو کام پر رکھ لیجئے , میں نے ٹالنا چاہا, انھوں نے کہا مولانا آپ تنخواہ کی فکر نہ کریں جو سمجھ میں آئے 5-10 رنگٹ میرے بیٹے کو یومیہ کے حساب سے دیدینا میری خواہش ہے آپ اس کو رکھ لیجئے , میرا بیٹا آپ کے پاس رہیگا شاید اس کا دل لگ جائے اور قرآن کا حفظ مکمل کرلے پہلے اس نے 23 پارے حفظ کر رکھے ہیں, آپ کے ساتھ رہیگا کچھ نہ کچھ کام جان لیگا , بزنس میں دل چسپی پیدا ہوگی اور سب سے اہم چیز ادھر ادھر بیکار گھومنے اور بری عادتوں سے بچ جائیگا, میں نے باپ کی بیٹے کے تئیں اس مثبت فکر کی قدر کرتے ہوئے اسے کام پر رکھ لیا.

لڑکے کا نام عزّ العارف ہے عمر 17 سال "بالکل عنفوان شباب " عمر کے اس مرحلے میں قید وبند سے آزادی کا تصور بغاوت کی حد تک کم وبیش ہر بچے میں ہوتا ہے , والدین کچھ کہیں گے بچہ کچھ اور چاہیگا , کسی کا کہا نہ ماننے کی عجیب و غریب ہٹ دھرمی ہوتی ہے, کبھی مجبورا دباؤ میں بات مان بھی لیں تو بھی دل چسپی سے کام نہیں کریں گے, ان کو صرف نکڑ سبھا آباد کرنے اوراپنے ہم عمر دوستوں کے ساتھ وقت گزارنے کی خواہش ہوتی ہے, ایسے میں والدین کی ذمہ داری بہت اہم ہوتی ہے کہ بچے کو کس طرح کنٹرول کریں , کس طرح اسے خراب مجلسوں بری صحبتوں اور فضول آوارہ گردیوں سے بچائیں ایسا ماحول دیں جہاں نہ بہت پابندی ہو نہ بلکل شتر بے مہار , جہاں بچے کی دل چسپی بھی ملحوظ خاطر ہو اور معقول آزادی بھی فراہم ہو, اس کے حوصلے کو پروان چڑھایا جائے اسے مختلف میدانوں میں حصہ لینے اور تعلیمی پیش رفت کی طرف ترغیب دیجائے, تابناک مستقبل کے لئے اسے ہر طرح موٹیویٹ کیا جائے. اچھوں کی صحبت کے ساتھ ساتھ نماز کی پابندی کا عادی بنایا جائے, اور اس کی اچھی بری حرکتوں پر غائبانہ نظر رکھی جائے---

عارف کو کام کرتے ہوئے آج ایک مہینہ پورا ہونے کو ہے اس دوران مجھے لگا کہ وہ بہت ذہین اور چالاک ہے, پڑھنے میں ممتاز صلاحیتوں کا مالک ہے کام بھی سلیقے سے کرتا ہے مگر وقت کا پابند نہیں , موبائل کا خطرناک حد تک استعمال اسے بے حد متاثر کر رہا ہے , اس بات کو لیکر اس کے والد بہت فکر مند ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس کا موبائل سے تعلق کم سے کم ہو , کام اور تعلیم پر اس کی توجہ مرکوز رہے۔

اس کے والد پورے مہینے گاہے گاہے مجھ سے معلوم کرتے رہے کہ عارف کا کام میں دل لگ رہا ہے یا نہیں , اور جب جب آتے مجھ سے ضرور کہتے عارف سے خوب کام لیجئے , کل مہینہ کی 29 تاریخ تھی اس کے والد آئے اور بڑی دیر تک بیٹھے رہے اپنے بیٹے کے احوال معلوم کرتے رہے میں نے جو کچھ ان دنوں میں محسوس کیا انھیں بتایا, وہ اس کی عملی پیش رفت سے خوش تھے آخر میں جاتے وقت انھوں نے ایک لفافہ دیا اور کہا مولانا یہ 250 رنگٹ ہے اسے آپ میرے بیٹے کی تنخواہ میں شامل کر لینا, ہر مہینہ میں ایسے ہی دیتا رہوں گا آپ اس کی تنخواہ میں جوڑ دینا, مجھے بڑی حیرت ہوئی ماسٹر صاحب ایسا کیوں کر رہے ہیں , میں نے منع کرنا چاہا مگر میری بات کو انہوں نے یہ کہ کر ٹال دیا :

"مولانا میں چاہتا ہوں میرا بچہ باحوصلہ ہو , اس کے اندر خود اعتمادی پیدا ہو, اور وہ خود کفیل بننے کی کوشش کرے, اسے پیسہ کی قدر معلوم ہو نیز فضول خرچی سے محفوظ رہے"

باپ کا یہ جملہ سن کر مجھے اس کے فکر کی بلندی کا احساس ہوا اور اس کا یہ کردار بڑا مثالی کردار لگا. أين نحن من هؤلاء. اس باپ کے مقابل ہم کس مقام پرہیں.؟؟؟؟؟

اے کاش! بحیثیت باپ ہم بھی اپنے بچوں میں خوداعتمادی بلند حوصلگی کی یہ اسپرٹ پیدا کرتے اور انھیں ضائع ہونے سے بچا پاتے.

نماز میں اِدھر اُدھر کے خیالات

بقلم :- مفتی محمد اجمل قاسمی

حضرت تھانوی رحمت اللہ علیہ نے نماز میں خشوع پیدا کرنے اور دھیان کو نماز کی طرف متوجہ رکھنے کے سلسلے میں فرمایا ہے کہ آدمی کو بحالت نماز اس کوشش میں نہیں لگنا چاہیے کہ خیالات و وساوس نماز میں آئیں ہی نہ اس لیے اولا یہ چیز انسان کے بس سے باہر ہے دوسرے تجربہ بتاتا ہے کہ دھیان کی نگرانی کی فکر میں پڑنے پر دھیان مزید بھٹکتا ہے۔

لہذا دھیان کی نگرانی کی فکر کرنے کے بجائے یہ کوشش کرنی چاہیے کہ جیسے دھیان ادھر ادھر جائے فورا نماز میں لائے اور جتنی دیر ادھر ادھر بھٹکا رہا اس پر افسوس اور فکر میں نہ پڑے ورنہ پھر بھٹک جائے گا بس کوشش لگاتار نماز کی طرف لانے کی کرتا رہے۔

اور دوسرے کوشش یہ کرے کہ دھیان کو نماز میں مشغول رکھے اس کا طریقہ یہ ہے کہ نماز میں جو جو پڑھ رہا ہے اس کو توجہ سے پڑھنے کی عادت ڈالے صحیح ادائیگی کا اہتمام کرے اور اگر قرآن اور اذکار و تسبیحات کے معنی کو سمجھتا ہے تو جو پڑھے اس کے معنی پر توجہ دے کر پڑھے ،

امام پیچھے ہے تو غور سے سنے اس کا ہمیں حکم ہے

کچھ عرصہ ایسا کرتے رہنے سے وساوس مضمحل ہونے لگیں گے۔

ایک اور بات بھی ذہن میں رکھنی چاہیے کہ نماز میں دھیان ادھر ادھر لے جانا برا ہے مگر دوران نماز از خود ذہن اگر کسی اچھے کام یا اچھے پلان کی طرف متوجہ ہوجائے یا کوئی

علمی یا دینی نکتہ سمجھ میں آجائے تو برا نہیں ہے حضرت تھانوی نے اس کے برا نہ ہونے پر یہ دلیل دی ہے کہ حضرت عمر فرماتے ہیں کہ میں نماز پڑھاتا ہوں اور میرا ذہن محاذ پر مجاہدین کی صف ترتیب دے رہا ہوتا ہے یا مسلمانوں کے درپیش مسائل میں لگ جاتا ہے

اور اگر ازخود دھیان برائی کی طرف جاتا ہے تو چونکہ اس پر اختیار نہیں اس لئے قابل ملامت نہیں البتہ کوشش لگاتار اس کی رہنی چاہیۓ کہ دھیان کو نماز کی طرف لائے توجہ ہوجانے کے بعد برے خیالات میں مشغول رہنا یقینا برا اور بڑی جسارت کا کام ہے یہ اللہ سے ڈرنے کا مقام ہے

گویا یہی آخری جز قابل تشویش ہے بقیہ پر تشویش کی ضرورت نہیں

حضرت نے جو کچھ بیان کیا بندے کے لیے بڑا تشفی بخش رہا یہ اور بات ہے کہ عمل جیسا چاہیے نہیں ہوپاتا ــــــ

قرآن مجید کی حفاظت

بقلم :- مولانا عبد الحمید قاسمی

قرآن مجید اللہ رب العزت کا کلام ہے اس میں کسی انسان کو کلام کرنے کی گنجائش نہیں ہے

حتیٰ کہ نبی مرسل ﷺ کو بھی اپنی مرضی سے کمی بیشی کا اختیار نہیں تھا تو پھر کسی اور انسان کے لیے کہاں گنجائش بچتی ہے، اللہ تعالی نے اپنے کلام کی حفاظت کا خود ذمہ لے رکھا ہے، کوئی فسادی انسان چاہ کر بھی امن و آشتی کے اس صحیفے میں کمی زیادتی نہیں کر سکتا، جب جب بھی جرائم پیشہ افراد نے قرآن مقدس میں دخل اندازی کی کوشش کی ہمیشہ منھ کی کھانی پڑی ہے

اس لیے کہ اس کتاب کا نزول تمام انسانیت کی صلاح وفلاح اور ان کے حقوق کی حفاظت کا ضامن ہے ، قرآن مقدس جرائم وفساد کی بیخ کنی کرتا ہے اور فسادیوں کی حوصلہ شکنی اور آخرت میں درد ناک عذاب کی وعیدیں سناتا ہے، ایسے میں قرآن مجید کی کسی آیت کو فساد کا موجب قرار دینا دماغ کا دیوالیہ پن ہے،

ہم حکومت سے پرزور مطالبہ کرتے ہیں کہ ایسے دریدہ دہن اور فسادی لوگوں پر قدغن لگائے اور قانون کے دائرے میں لاکر سلاخوں کے پیچھے ڈالے۔۔

ہم تمام مسلمانوں سے اپیل کرتے ہیں کہ متحد رہکر اپنے قانونی حق کا استعمال کریں۔۔

اپنی زندگی اور اپنی نسلوں میں قرآنی تعلیمات کو عام کریں، اپنی شادی بیاہ ودیگر معاملوں کو شریعت وسنت کے دائرے میں لاکر انجام دیں۔

اپنے متعلقین کے ساتھ حسن سلوک کریں

بقلم :- مولانا اظہارالحق قاسمی، استاذ: مدرسہ عربیہ قرآنیہ ، اٹاوہ

حسن سلوک ایک زندہ معاشرے کی علامت ہے۔ جس معاشرے میں چھوٹوں کو ان کی حیثیت اور بڑوں کو ان کا مقام دیا جاتا ہے وہ مثالی معاشرہ کہلاتا ہے۔اور جس معاشرے میں بڑے چھوٹوں کا خیال نہ کریں اور چھوٹے بڑوں کا اکرام و احترام نہ کریں وہ معاشرہ انسانی معاشرہ نہیں ہوسکتا۔ نبی پاک ﷺ کی پوری زندگی آپ کے حسن سلوک کی مثالوں اور تعلیمات سے بھری پڑی ہے۔آپ ﷺ سب کے ساتھ اچھا معاملہ کرتے اور کرنے کی تاکید فرماتے، یہاں تک کہ جانوروں تک کے ساتھ آپ ﷺ نے رحم وکرم اور حسن برتاؤ کا مظاہرہ کیا ہے اور کرنے کی تلقین کی ہے۔

ذیل میں ہم نے روز مرہ کی زندگی میں ہم سے تعلق رکھنے والے چار طرح کے لوگوں سے حسن سلوک کی اہمیت اور ضرورت کو اجاگر کیا ہے۔

ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک

ماں باپ ہر بچے کے لیے جسم وروح کی مانند اہم ہوتے ہیں۔ چوں کہ ماں باپ اس دنیا میں انسان کے وجود کا ذریعہ ہوتے ہیں، انسان اپنی زندگی کا ایک اچھا خاصہ حصہ صرف والدین سے تعلق میں گزارتا ہے، عمر کے بڑھنے کے ساتھ انسان کی زندگی میں اور لوگ آتے رہتے ہیں مگر ماں باپ کا تعلق ہر بچے کے لیے دائمی ہوتا ہے؛ اس لیے انسان پر لازم ہے کہ ان کے ساتھ ہمیشہ اچھا معاملہ کرے۔انھیں کائنات کی سب سے عظیم المرتبت ہستی سمجھے۔ ان کے ایک اشارے پر جان نچھاور کرنے کو تیار رہے۔ ان کی ہر

جائز بات کو اپنے لیے حکم کے درجے میں رکھے اور اس معیار کی ان کی خدمت کرے کہ ان کی قربانیوں کا کچھ بدلہ ادا کر سکے۔

انسان اپنی پیدائش سے قبل نوماہ تک شکم مادر میں رہ کر اس کے جسم کا حصہ رہا۔ اس کے جسم سے ہی غذا حاصل کرتا رہا۔ پھر جب پیدا ہوا تو اتنا کمزور تھا کہ اس میں ہِلنے اور دیکھنے تک کی سکت نہ تھی۔ اسی ماں اور اسی باپ نے اس کمزور سی حالت میں شفقت ومحبت کے بے پناہ احساسات کے ساتھ اسے پالا۔ اس کی ضروریات کا خیال رکھا۔ وہ کئی سالوں تک گندگی کرکے اپنی گندگی کو بھی صاف کرنے کا اہل نہیں تھا ماں نے اس کی گندگی کو بھی بصد محبت صاف کیا۔ ماں نے اسے اپنا خون جگر پلایا۔ باپ نے اپنی خون پسینے کی کمائی سے ماں اور بچہ دونوں کے لیے غذا کا انتظام و انصرام کیا۔ پھر بچہ جب ذرا سا بڑا ہوا تو بچے کی زندگی بنانے کے لیے ماں باپ نے اسے تعلیم گاہ بھیجا تاکہ وہ اس دنیا اور اس کے بعد کی دنیا کے لیے کامیاب شخص بن سکے ۔ اپنی زندگی کا تقریبا نصف حصہ اس نے اپنے ماں باپ کے احسان کے ٹکڑوں پر گزارا۔ پھر جب وہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہوتا ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اپنے ماں باپ کے حقوق کا خیال رکھے۔ ان کے ساتھ حسن سلوک کو لازم پکڑے۔ ان کی نافرمانی سے سخت احتراز کرے۔

اسی لیے قرآن واحادیث میں والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا تاکیدی حکم نازل ہوا ہے۔ اللہ تعالی نے قرآن پاک میں فرمایا کہ : اور تیرے رب نے فیصلہ کیا کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اورماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرو۔ اگر ان میں سے ایک یا دونوں تمہارے سامنے بڑھاپے کو پہونچ جائیں تو انھیں اف تک نہ کہو اور انھیں نہ جھڑکو! اوران سے نرم گفتگو کرو۔ (قرآن) دیگر کئی آیتوں میں بھی والدین کے ساتھ حسن سلوک

کرنے کا حکم ہے ۔حد تو یہ ہے کہ اگر والدین مذہب اسلام کے ماننے والوں نہ ہوں تب بھی ان کے ساتھ بھلائی اور حسن سلوک کا حکم قرآن پاک میں دیا گیا ہے۔ اسی طرح بے شمار آیات واحادیث میں والدین کے حق میں دعائیں کرنے کا حکم بھی دیا گیا ہے۔
والدین کے سلسلے میں وارد بے شماراحادیث مبارکہ بھی اس بات کی تاکید کرتی ہیں کہ ان کے ساتھ رحم و کرم کیا جائے اور حسن سلوک کارویہ اپنایا جائے۔ حضرت ابوامامہ رض سے روایت ہے کہ : ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ اولاد پر ماں باپ کا کیا حق ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: وہ تمہاری جنت اوردوزخ ہیں۔(مشکوۃ) یعنی اگر تم نے ان کا خیال رکھا، ان کے حقوق ادا کیے اور ان کی نافرمانی سے گریز کیا تو تم جنت میں جاؤ گے اور اگر تم نے ان کی حق تلفی کی ، ان کی نافرمانی کیا اور ان کے ساتھ ظلم وزیادتی کا رویہ رکھا تو تم دوزخ میں جاؤ گے۔
دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ بسا اوقات بچے جب بڑے ہو جاتے ہیں تو صرف اپنی اور اپنے بیوی بچوں کی فکر کرتے ہیں اور والدین کی خدمت اور ان کی ضروریات فراموش کردیتے ہیں ، ماں باپ سے بالکل بے پروا ہوجاتے ہیں اور انھیں ایک ایک پائی کے لیے ترساتے ہیں۔ یاد رہے کہ یہ ظلم اور زیادتی اور والدین کے ساتھ احسان فراموشی ہے۔ ایسی اولاد کو اپنی اولا د سے بھی ایسی ہی توقع رکھنی چاہیے۔ نبی پاک ﷺ کے زمانے میں ایسا ہی ایک واقعہ پیش آیا جب ایک بیٹے نے آکر اپنے باپ کی شکایت کہ اس کے باپ نے اس کی اجازت کے بغیر اس کا مال لے لیا ہے تو آپ ﷺ نے اس بیٹے سے فرمایاکہ: تو اور تیرامال دونوں تیرے باپ کے ہیں(ابن ماجہ) کیوں کہ اولاد تو ماں باپ کی کمائی ہے لہذا ان کی کمائی کی کمائی کااستعمال کرنا جائزہے۔ لہذا بیٹوں کو سمجھنا چاہیے کہ وہ اور

ان کے مال ومتاع دونوں ان کے والدین کے بھی ہوتے ہیں اور ان کا بھی اولاد کے جان ومال میں حصہ ہوتاہے اس لیے وہ ان سے صرف نظر نہیں کرسکتے۔

خلاصہ یہ ہے کہ والدین اس کائنات کی سب سے معزز ہستیاں ہیں اور یہ ان کا حق ہے کہ ان کے ساتھ ہمیشہ حسن سلوک کا معاملہ کیا جائے۔ بطور خاص جب ان میں سے کوئی یا دونوں پیرانہ سالی کو پہونچ جائیں تو ان کی خدمت کے موقع کو غنیمت اور سعادت سمجھنا چاہیے۔ ان کے ناز و نخرے کو برداشت کیا جانا چاہیے۔ بل کہ اگر ان کے کوئی شوق ہوں جنھیں وہ اپنی زندگی میں پورا نہ کرسکے توان کے پورا کرنے کی فکر کی جانی چاہیے۔ اگر وہ ناراض ہوجائیں تو انھیں منانا چاہیے ۔ اگر بڑھاپے کے اثر انداز ہونے کی وجہ سے ان میں سے کسی کی زبان ومزاج تلخ ہو جائے تو اسے بصد خوشی برداشت کیا جائے جیسے وہ بچپن میں ہماری چیخ پکار کو برداشت کرتے تھے۔ اگر ان کاجسمانی عارضہ اس درجے کو پہونچ جائے کہ کپڑے میں استنجا ہوجائے تو چیں بجبیں ہونے کے بجائے سعادت سمجھ کر ان کی خدمت اورصفائی کی جائے؛ کیوں کہ وہی ماں باپ ہمارے بچپن کے ان حالات میں بخوشی ہماری گندگیاں صاف کرتے تھے۔ ان کی خدمت سعادت ہے اور صرف سعادت! دنیوی بھی اور اخروی بھی!

اولاد کے ساتھ حسن سلوک

اولاد ہر ماں باپ کی آنکھوں کا نور اور دل کا سرور ہوتی ہے۔ بچوں کی گلکاریاں اور ان کی چہچہاہٹیں گھروں کے درودیوار کو مسرت بخشتی ہیں۔ ماں باپ اپنے بچوں کو بہت پیار ومحبت سے پالتے پوستے اور بڑا کرتے ہیں۔ بڑا ہونے کے بعد جب بچوں کی علم وعمر میں پختگی آنے لگتی ہے اور وہ اپنے کچھ فیصلے خود کرنے لگتے ہیں تو کچھ والدین کو اس سے یا

کسی اور معقول یانامعقول وجہ سے ان سے چڑ پیدا ہوتی ہے اور پھر یہ چڑ بسا اوقات سخت ترین اختلاف کا باعث ہوتی ہے۔ ماں باپ اور اولاد میں رشتے منقطع ہوجاتے ہیں اور اپنی آغوش کے پالے ہوئے بچے سے وہ سالوں نہ بات چیت کرتے ہیں اور نہ ہی ان سے کوئی تعلق رکھتے ہیں۔ بچے کے بڑے ہوجانے کے بعدوالدین اکثر اپنی مرضی سے اپنی مرضی کی بہولاتے ہیں مگر چندہی ماہ وسال کے بعدنہ جانے کیا ہوجاتا ہے کہ والدین اور بچوں میں ایسی سخت ناچاقی ہوتی ہے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کو دیکھنا بھی پسند نہیں کرتے۔

ایسا ہونے کے اسباب میں بسااوقات والدین کی غلط تربیت کا یاانھیں اپنا مقابل سمجھ لینے کا بڑا حصہ ہوتاہے۔ اگر والدین اپنی اولاد کو درست اور ضروری دینی تعلیمی نہیں دیتے تو عموما ایسے حالات سے گزرناہوتاہے۔ اگربچے نے اپنی طرف سے کوئی نامناسب اقدام کیا ہے تو بجائے اس کے والدین اس کو سمجھائیں، اسے اپنا مقابل سمجھ بیٹھتے ہیں اور اس کے بارے میں اِن اُن سے نامناسب باتیں کہتے ہیں جسکی وجہ سے چپقلش شدید ترہوجاتی ہے۔ گھریلو طور پر والدین اور بچوں میں اختلافات کے اسباب میں آپسی غلط فہمیوں کا بہت بڑا حصہ ہوتاہے چناں چہ ماں باپ یا تو گھر میں نئے ممبر کو برداشت نہیں کرپاتے یانئی آنے والی خاتون اپنے شوہر کے ماں باپ کو قبول نہیں کرپاتی۔ حالاں کہ اب وہ خاتون اس گھر کا مستقل ممبر ہوتی ہے لہذا ماں باپ کو اسے اپنانا چاہیے اور اپنی بیٹی کی طرح۔ اسی طرح اس نئی ممبر کو بھی اپنے شوہر کے ماں باپ کو اپنا ماں باپ سمجھ کر ان کی خدمت کو بھی سعادت سمجھنا چاہیےاور انھیں نہایت اعلی حیثیت دینا چاہیے۔ ایسا کرنے سے گھر ناچاقیوں سے محفوظ ہو جائیں گے۔ بسااوقات ان چاقیوں میں گھر کے دوسرے ممبران یعنی بیٹے

بیٹیوں کا بھی اچھا خاصا ہاتھ ہوتا ہے اس لیے نئ ممبر کے حوالے سے انکی مداخلت کو بھی روکنا چاہیے ، بل کہ انھیں بھی اس کو دل سے قبول کرنے اور اپنالینے پر آمادہ کرنا چاہیے ان تمام صورتوں میں ماں باپ کو ماں باپ ہی بنے رہنا چاہیے اور اپنی اولاد کو اپنی اولاد ہی سمجھنا چاہیے اور ان کے ساتھ حسن سلوک کا مظاہرہ کرنا چاہیے؛ نہ کہ دشمن اور خصم ومقابل سمجھتے ہوئے میدان میں آجانا چاہیے کیوں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: اللہ نرمی والے ہیں اور وہ نرمی کو پسند فرماتے ہیں اور وہ نرمی پر وہ سب کچھ عطا کرتے ہیں جو سختی پر عطا نہیں کرتے (مسلم)۔ اسی طرح بچے تو بچے ہی ہیں آپ ناراض ہو کر کیوں ان کی عاقبت خراب کرنا چاہتے ہیں۔ اگر کسی معاملے میں وہ غلطی پر ہیں تو آپ ان سے گفتگو کریں ، اپنے حق اور اپنے تعلق کا حوالہ دیں ، ان شاء اللہ نوے فیصد معاملات از خود حل ہوجائیں گے۔ اسی لیے آپ ﷺ نے صحابہ کرام کے اس سوال پر کہ ہم کووالد کے حقوق تو معلوم ہوگئے مگر اولاد کے حقوق کے کیا حقوق ہیں ؟توفرمایاکہ : اس کا اچھا نام رکھے اوراسی کی تعلیم وتربیت کا اچھا انتظام کرے۔

اگر آپ نے اپنی اولاد کی حسن تعلیم وتربیت پر کماحقہ توجہ نہیں دی، انھیں ان کے دین کے درست اور ضروری علم سے محروم رکھا، انھیں سچا پکا اور نمازی مسلمان نہ بنا سکے، بیٹیوں کو سیدہ فاطمہ وسیدہ عائشہ کی سیرت میں نہ ڈھال کر بے شرم و بے حیا بننے دیا تو سمجھ لیجیے کہ آپ نے اپنے لیے انگارہ اور آگ کا بستر تیار کیا ہوا ہے۔ آپ اپنے بچوں کے ذمے دار ہونے کے ناطے کل خدائے ذوالجلال کے سامنے جواب دہ ہوں گے۔

حدیث پاک میں اللہ کے رسول حضرت محبوب کائنات ﷺ کا ارشاد ہے کہ : غور سے سنو!تم میں سے ہر ایک نگراں ہے اور کل بروز قیامت ہر نگراں سے اس کے ماتحتوں

کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ لوگوں کا امیر ان کا نگہبان ہے اس سے اپنی رعیت
کے بارے میں پوچھا جائے گا اور مرد اپنے گھر والوں کا نگہبان ہے اور اس سے اپنی
رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا اور عورت اپنے خاوند کے گھر کی نگہبان ہے اس
سے ان کے بارے میں سوال کیا جائے گا اور غلام اپنے آقا کے مال کا نگہبان ہے اور اس
سے اس کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ سنو!تم میں سے ہر ایک نگراں ہے اور کل بروز
قیامت ہر نگراں سے اس کے ماتحتوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔بخاری و مسلم
اس لیے ہر ماں باپ کو اپنے بچوں کے ساتھ حسن سلوک کا مظاہر ہ کرنا چاہیے اور اگر وہ
کسی گام پر غلط ہوں توانھیں اپنا حریف و مقابل بنانے سے بچنا چاہیے اور اپنا سمجھ کر
انھیں اپنے سینے سے لگا لینا چاہیے۔

میاں بیوی کا ایک دوسرے کے ساتھ حسن سلوک

انسان جب باشعور ہوکر بالغ ہوتاہے اور اس کی جسمانی کیفیت بچپن کے مرحلے سے
تبدیل ہوکر عہدشباب میں پہونچتی ہے تو ہر نوجوان اپنے لیے ایک اچھی بیوی کے خواب
بُنتاہے۔ اچھی رفیقہ حیات کے لیے دعا کرتاہے اور اچھی بیوی پانے کے سو جتن کرتاہے۔
اچھی بیوی پانے کے لیے نہ جانے کتنے رشتے وہ ٹھکرا دیتا ہے ۔پھر ایک دن آتا ہے جس
اس کی شادی ہوتی ہے ۔ وہ جشن و مسرت میں ڈوب کر ایک لڑکی کو بیاہ کر اپنے گھر لاتا
ہے اور اس طرح وہ ایک نئ زندگی کی شروعات کرتاہے جہاں اب وہ اکیلا نہیں رہتابل
کہ اب وہ دو لوگ ہو جاتے ہیں جو ایک دوسرے کی خوشی کے شریک اور غموں کے
تقسیم کار ہوجاتے ہیں۔

ایک لڑکی اپنے سب سے پیارے ماں باپ ، اپنے بھائی بہن، اعزاء واقرباء ، اپنا آبائی گھر،

اس کی مسکراہٹیں اور چہچہاہٹیں جہاں وہ اپنی زندگی کے یقینی بہار کے دن گزارا کرتی تھی ،یہاں تک کہ اپنا سب کچھ اپنے پیچھے چھوڑ کر ایک اجنبی اور ناشنا سا مرد کے پاس آجاتی ہے اس کی زندگی کو تسکین بخشنے ، اس کی نسل کو آگے بڑھانے اور اس کی زندگی کا ساتھ دینے ۔ ظاہر ہے کہ مرد یہ قربانیاں نہیں دیتا۔ اسے اپنے ماں باپ کو نہیں چھوڑنا پڑتا۔ اسے اپنے بھائی بہنوں اور رشتہ داروں سے دور نہیں ہونا پڑتا۔

عورت کی یہی قربانی کیا کم تھی کہ اس سے جہیز کا مطالبہ کیا جاتااوراس سے جوڑے کی رقم لی جاتی! ہوناتو یہ چاہیے تھا کہ عورت کو صرف ان ساری قربانیوں کے نام پر ہر طرح کے خرچ سے بری کر دیا جاتا ؛کیوں کہ عورت قربانی دے رہی ہے۔ اور مرد اپنی حیثیت کے بقدر خرچ کرتا جیساکہ شریعت اسلامی کا یہی مزاج ہے کہ مرد خرچ کرے کیوں کہ اسے ہی مہر دینا ہے اور ولیمہ کرنا ہے۔ شادی میں بس یہی دو خرچے ہیں جو مرد کے ذمے عائد ہوتے ہیں۔ عورت کے ذمے تو کوئی خرچہ ہے ہی نہیں۔

لیکن ہمارے ہندوزدہ معاشرے میں سارا بار عورت پر ڈال دیا گیا ہے۔ عورت کے اہل خانہ کو اپنی بیٹی بیاہنے کی بھاری قیمت ادا کرنی پڑتی ہے ۔ چناں چہ منگنی سے لے کر شادی تک لڑکے والوں کے منھ کھلے بل کہ پھٹے کے پھٹے رہتے ہیں اور لڑکی پیدا کرنے والا بے چارہ ان کے منھ میں اپنی کمائی نچوڑ نچوڑ کر ڈالتا رہتاہے لیکن وہ آسودہ نہیں ہوتے ۔ شادی کے بعد لڑکی کو کم جہیز لانے ، کم زیور لانے اور بارات کی کم عزت کرنے کا طعنہ آئے دن سننا پڑتا ہے ۔ یہ طعنہ کبھی تو شوہر دیتا ہے ، کبھی شوہر کی بہنیں دیتی ہیں ورنہ ماں باپ دیتے ہیں۔ حتی کہ کبھی کبھار معاملہ اس حدتک پہونچ جاتاہے کہ عورت خودکشی کرلیتی ہے یا اسے سسرال والے زہر دے دیتے ہیں۔

اکثر احوال میں عورت بے چاری یہ طعنے سنتی اور سہتی رہتی ہے اور ظاہر ہے کہ ان حالات

میں جب کہ پرائی لڑکی کو اپنا بنانے اور اپنانے کا موقع ہوتا ہے اس کے بجائے اگر اس کو طعنہ دیا جائے تو معاملات کیسے قابو میں آئیں؟ پھر گھروں میں افتراق وانتشار کیوں نہ ہو؟اس لیے ضروری ہے کہ ہر شوہر اپنی بیوی جس کے وہ خواب دیکھا کرتا تھااس کے ساتھ حسن سلوک کرے ۔ اس کاخوب خیال رکھے۔ اس کی ضروریات کی دل کھول کر تکمیل کرے۔ اس کے ساتھ ایسا رویہ اپنائے کہ وہ اپنے ماں باپ کی فرقت کا غم بھول سکے۔ اللہ تعالی نے قرآن پاک میں عورتوں کے ساتھ حسن معاملہ کی تاکید کی ہے(سورہ نساء) نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا: میری طرف سے عورتوں کے ساتھ بھلائی کرنے کی وصیت قبول کرو۔(بخاری)

مردوں کو یہ بات سمجھ کے رکھنا چاہیے کہ عورتوں کی فطرت مردوں سے کسی قدر مختلف ہے کیوں کہ وہ پسلی سے پیدا کی گئی ہیں اور کجی اس کا لازمی جزو ہے ۔جیسا کہ حدیث بالا کے اگلے حصے میں مذکورہے۔ ٹیڑھی چیز کو نرمی کے ساتھ تو کسی قدردرست کیا جاسکتا ہے مگر سختی کے ساتھ نہیں؛ کیوں کہ سختی کے نتیجے میں وہ چیز ٹوٹ جائے گی۔ عورت محبت اور نرمی وملاطفت کی چیز ہے اسے حسن معاملت و محبوبیت سے سیدھا کیا جانا چاہیے اس کےساتھ عفو و درگزر سے کام لیاجانا چاہیے نہ کہ سختی و درشتی سے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ عورتوں کو آزاد چھوڑ دینا چاہیے کیوں کہ اس سے اس کے اندرمزید کجی پیدا ہوگی بل کہ ان کی پیہم اصلاح کی فکر کی جانی چاہیے مگر اس طریقے سے جو ان کے ہم آہنگ ہو۔

بے شمار احادیث میں رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کے ساتھ حسن سلوک ، نرمی اور مہربانی کی تاکید اور سفارش کی ہے اور ان کے حقوق کے معاملے اللہ سے ڈرنے کا حکم دیا ہے۔

ترمذی شریف کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مسلمانوں میں سب سے زیادہ کامل ایمان والے وہ ہیں جن کے اخلاق سب اچھے ہوں اورجو اپنی بیوں پرسب سےنرمی کرنے والے ہوں۔ اسی کتاب کی ایک اور روایت میں ہے کہ: تم میں سب سے اچھا آدمی وہ ہے جو

اپنی بیوی کے ساتھ اچھا ہواور میں اپنی بیویوں کے حق میں سب سے اچھا ہوں۔
جس طرح مردوں پر لازم ہے کہ وہ اپنی بیویوں کے ساتھ حسن سلوک کریں اسی طرح عورتو ں پر بھی لازم ہے کہ وہ اپنے شوہروں کے ساتھ حسن سلوک کریں۔ وہ اپنے شوہروں کو اپنا سب سے خیرخواہ اور ہمدم سمجھیں۔ اسے اپنے اوپر قوّام سمجھیں جو اس کو خدا کی طرف سے ملی ہوئی حیثیت ہے۔ عورت کو چاہیے کہ اپنے شوہر کے چشم و ابرو سے سرمو انحراف کو بھی غلط سمجھے۔ کہیں بھی اور کسی بھی صورت میں اس کے احترام میں ذرہ برابر کمی نہ کرے۔ اس کی مرضی کو اپنی مرضی پر مقدم رکھے۔ اس کی کمائی میں گزربسر کرنے کو لازم پکڑے۔ اگر شوہر کم کماتا ہو تو اس کو طعنہ دینے کے بجائے تسلی و حوصلہ دے۔ اس کے لیے دعا کرے۔ اپنی رفاقت و وفاداری کا اسے یقین دلائے۔ اس کی خدمت کو اپنی سعادت سمجھے کہ اگر خداکے بعد کوئی کسی کے لیے مسجود ہوتا تو وہ شوہر ہوتا بیوی کے لیے۔ شوہر کے آرام و تسکین کا بھرپور خیال رکھے۔ شوہر کی غیر موجودگی میں اپنی عزت و امانت کی حفاظت کرے۔ شوہر سے کسی بھی چھوٹے بڑے اختلاف کو گھر سے باہر بطور خاص اپنے ماں باپ سے فوری ذکر کرنے سے اور سخت رد عمل سے اپنے کو باز رکھے۔
میاں بیوی دونوں زندگی کی گاڑی کے پہیے ہیں جن کے بغیر زندگی کی گاڑی چل نہیں سکتی اس لیے دونوں کو پیش قدمی کرنی ہوگی اور دونوں کو ایک دوسرے کے خیال کے ساتھ اور حسن سلوک کے ساتھ چلنا ہوگا۔ انجام کار دونوں خوش حال ہوں گے۔ اگر اس میں کمی آئی تو معاملہ بگڑے گا اور دونوں کی زندگی اجیرن بن جائے گی۔

ہمارے مسائل اور ان کا حل

بقلم :- مفتی محمد شاکر نثار المدنی

مسئلہ نمبر 41

لڑکیوں کے زیورات پر زکوۃ

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص اپنی بچی کے لئے زیورات بنوا کے رکھے تو کیا اس پر زکاۃ ہے؟

المستفتی: محمود الحسن قاسمی مہراج گنج

الجواب باسم الملهم للصدق والصواب : اگر باپ نے بچی کے لیے زیورات بنوائے ہیں لیکن اس کو اپنی ملکیت میں رکھا ہے ابھی بچی کی تحویل میں نہیں دیا ہے تو اس کی زکوۃ باپ کو ادا کرنی ہوگی اور اگر بچی کو دیدیا ہے اور اس کو تصرف کا مکمل اختیار ہے تو دیکھا جائے گا کہ بچی بالغ ہے یا نا بالغ، اگر بالغ اور صاحب نصاب ہے تو زکوۃ بچی کو ادا کرنی ہوگی اور اگر نابالغ ہو تو اس زیور کی زکوۃ کی ادائیگی کسی کے ذمہ نہیں ہے.

وسببه أي سبب افتراضها ملک نصاب حولي... تام ـ(شامی، کتاب الزکاة

زکریا ۱۷۴/۳، کراچی ۲۵۹/۲)

وشرط وجوبها العقل والبلوغ والإسلام خرج المجنون والصبی فلا زکوٰۃ فی

مالهما وإنما يعتبر ابتداء الحول من وقت الإقامة كالصبي إذا بلغ يعتبر

ابتداء الحول من وقت البلوغ؛ (البحر الرائق، کتاب الزکاۃ، زکریا ۳۵۳/۲، کوئٹہ ۲۰۲/۲)

ومنها العقل والبلوغ فلیس الزکاۃ علی صبي ... وکذا الصبی إذا بلغ یعتبر ابتداء الحول من وقت بلوغه۔ (ہندیه، کتاب الزکاۃ، الباب الأول في تفسیرہا وصفتها وشرائطها زکریا ۱۷۲/۱، ماجدیہ ۱۷۲/۱، ہندیہ جدید اتحاد ۲۳۳/۱).

هذا ما ظهر لي والله أعلم وعلمه أتم وأحکم

حرره العبد محمد شاکر نثار المدني القاسمي غفرله

استاذ الحدیث والفقه بالمدرسة الإسلامیة العربیة

بیت العلوم سرائمیر اعظم جره الهند ــــــــ

13 - 9 - 1439ھ 29 - 5 - 2018م الثلاثاء ــــــــ

مسئلہ نمبر 42

نماز میں لقمہ دیتے وقت غلطی سے بولنا

سوال: مفتیان کرام وعلماء عالی مقام سے ایک مسئلہ دریافت طلب ہے ---
دوران نماز تراویح سامع نے حافظ صاحب کو انکی غلطی پر متنبہ کرتے ہوئے بے خیالی میں

کہدیا ٹھیک ہے یا ہوں ہوں تو نماز پر کیا کچھ اثر پڑے گا؟
تشفی بخش جواب عنایت فرمائیں نوازش ہو گی.

المستفتی : نسیم أحمد

الجواب بأسم الملهم للصدق والصواب: نماز مکمل ہونے سے قبل جان بوجھ کر یا بھول کر معنی دار یا مہمل کسی طرح بات سے نماز فاسد ہوجاتی ہے، اب صورت مسئولہ میں چونکہ بولنے والے کی نماز فاسد ہوچکی ہے اور وہ خارج نماز ہو چکا ہے لہذا اگر امام نے اس کی اس تنبیہ کو قبول کرلیا تو امام اور دیگر مقتدیوں کی نماز بھی فاسد ہوگئی اس لئے اس دو رکعت اور اس میں پڑھے گئے قرآن کا اعادہ کرنا ہو گا.

عَنْ زَيد بْنِ أَرقَمَ رَضيَ الله عَنْهُ قال: "كُنَا نَتَكَلَّمُ في الصَّلاةِ يُكَلِّم الرَّجُلُ مِنَّا صَاحِبَهُ وهُوَ إِلى جَنْبِهِ في الصلاةِ حَتى نَزَلَتْ ﴿ وقُومُوا لله قَانِتِينَ ﴾ فأُمِرْنَا بالسُّكوتِ ونُهِينَا عَنِ الْكَلامِ" رواه البخاري ومسلم.

ويفسدها التكلم الخ عمده وسهوه قبل قعوده قدر التشهد سيان، وسواء كان ناسا أو نائما أو جاهلا أو مخطئاً أو مكرها هو المختار (الدر المختار مع الرد 2/370 زکریا) (بدائع الصنائع 1/518).

واذا فسد الشفع وقد قرأ فيه لا يعتد بما قرأ فيه ويعيد القرائة ليحصل له الختم فى الصلاة الجائزة (الفتاویٰ الهندية ج۱ ص ۱۱۸ فصل فی التراویح).

هذا ما ظهر لي والله أعلم وعلمه أتم وأحكم.

حرره العبد محمد شاكر نثار المدني القاسمي غفر له

استاذ الحديث والفقه بالمدرسة الإسلامية العربية

بيت العلوم سرائمير اعظم جره الهند ــــــــ

13 - 9 - 1439ھ 29 - 5 - 2018م الثلاثاء ــــــــــ

مسئلہ نمبر 43

سامع کا لقمہ دینے میں کلام کرنا

سوال : اگر حافظ تراویح پڑھا رہا ہے اور پیچھے سے کوئی لقمہ دیتے ہوئے کچھ کلام یا اس کے مانند کوئی جملہ کہہ دے تو اس لقمہ دینے والے کی نماز کا حکم اور دیگر مصلیان کی نماز کا کیا حکم ہوگا

المستفتی : احمد خان

الجواب باسم الملهم للصدق والصواب : سامع اور امام ومقتدی سب کی نماز فاسد ہوگئی ، تفصیل اور دلائل اس سے پہلے والے جواب میں ملاحظہ فرمائیں

هذا ما ظهر لي والله أعلم وعلمه أتم وأحكم.

حرره العبد محمد شاكر نثار المدني القاسمي غفر له

استاذ الحديث والفقه بالمدرسة الإسلامية العربية

بيت العلوم سرائمير اعظم جره الهند

13 - 9 - 1439ھ 29 - 5 - 2018م الثلاثاء

مسئلہ نمبر 44

پالتو جانوروں کو نصاب زکوۃ میں نہیں ملایا جائے گا

سوال : اگر کسی شخص کے پاس کچھ پیسے اور پالتو جانور ملا کر نصاب تک پہنچ جائے تو زکات آئیگی؟

المستفتی : محمد عبد اللہ قاسمی کٹولی کلاں

الجواب باسم الملهم للصدق والصواب : پالتو جانوروں کے مال زکوۃ ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ ان کو باندھ کر نہ کھلایا جائے بلکہ وہ سال بھر عام چراگاہ سے اپنا پیٹ بھرتے ہوں چونکہ ہمارے دیار میں جانوروں کو گھر پر بھی کھلایا جاتا ہے اس لیے ایسے جانور مال زکوۃ میں شمار نہ ہونگے۔

عن عمرو بن حزم (في كل خمس من الإبل السائمة شاه). (رواه الحاكم).

وعن علي بن أبي طالب أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: (ليس في البقر العوامل شيء). رواه ابو داؤد.

قال ابن عابدين: السائمة هي: الراعية، وشرعا: المكتفية بالرعي المباح في أكثر العام لقصد الدر والنسل، ذكره الزيلعي، وزاد في المحيط والزيادة والسمن ليعم الذكور فقط، لكن في البدائع لو أسامها للحم فلا زكاة فيها كما لو أسامها للحمل والركوب ولو للتجارة ففيها زكاة التجارة ولعلهم تركوا ذلك

لتصريحهم بالحكمين فلو علفها نصفه لا تكون سائمة فلا زكاة فيها للشك

في الموجب (رد المحتار على الدر المختار لابن عابدين باب السائمة ج2

ص275و 276. دار الكتب العلمية).

هذا ما ظهر لي والله أعلم وعلمه أتم وأحكم

حرره العبد محمد شاكر نثار المدني القاسمي غفرله

استاذ الحديث والفقه بالمدرسة الإسلامية العربية

بيت العلوم سرائمير اعظم جره الهند -------

14 9 1439ھ 30 5 2018م الأربعاء -------

مسئلہ نمبر 45

ضرورت سے زائد کپڑوں پر زکوۃ نہیں

سوال : لڑکیاں اپنی شادی میں جو کپڑے پاتی ہیں وہ ضرورت سے بہت زائد ہوتے ہیں، کیا ان کپڑوں پر زکوۃ آئے گی؟

المستفتی : محمد عبد اللہ قاسمی کٹولی کلاں

الجواب باسم الملهم للصدق والصواب : ایسے کپڑوں پر زکوۃ نہیں ہے کیونکہ زکوۃ واجب ہونے کے لیے مال کا اصلا یا حکما نامی ہونا بھی شرط ہے، کپڑا مال نامی نہیں ہے اس

لئے اس کو نصاب میں شامل نہیں کیا جائے گا۔
دارالعلوم دیوبند کے مفتیان کرام تحریر کرتے ہیں کہ ضرورت اصلیہ کی چیزیں، مثلاً: گاڑی، کپڑا وغیرہ اگر ضرورت سے زائد ہوں، تب بھی اُن پر زکات فرض نہیں ہے۔ (فتوی نمبر 66557).
اسی طرح مولانا یوسف صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ زیورات کے علاوہ استعمال کی چیزوں پر زکوٰۃ نہیں.

نوٹ : ایسے کپڑے وغیرہ جو ضرورت سے زائد ہوں وہ تو زکوۃ کے نصاب میں شامل نہیں کئے جائیں گے لیکن صدقہ فطر کی ادائیگی کے وقت اگر کپڑوں وغیرہ کی مالیت نصاب تک پہنچ جائے تو صدقہ فطر ادا کرنا ہو گا، گرچہ نصابِ زکوٰۃ اور نصابِ صدقۂ فطر کی مقدار ایک ہی ہے، لیکن نصابِ زکوٰۃ اور نصاب صدقۂ فطر میں یہ فرق ہے کہ زکوٰۃ فرض ہونے کے لئے تو چاندی یا سونا یا مالِ تجارت ہونا ضروری ہے اور صدقۂ فطر واجب ہونے کے لئے ان تین چیزوں کی خصوصیت نہیں ،بلکہ اُس کے نصاب میں ہر قسم کا مال حساب میں لے لیا جاتا ہے ۔ ہاں حاجتِ اصلیہ سے زائد اور قرض سے بچا ہوا ہونا دونوں نصابوں میں شرط ہے۔
پس اگر کسی شخص کے پاس اُس کے استعمال کے کپڑوں سے زائد کپڑے رکھے ہوئے ہوں یا روز مرہ کی ضرورت سے زائد تانبے ،پیتل، چینی وغیرہ کے برتن رکھے ہوں یا کوئی مکان اُس کا خالی پڑا ہے اور کسی قسم کا سامان اور اسباب ہے اور اُس کی حاجت اصلیہ سے زائد ہے اور اُن چیزوں کی قیمت نصاب کے برابر یا زیادہ ہے تو اُس پر زکوٰۃ فرض نہیں ،لیکن

صدقۂ فطر واجب ہے۔ صدقۂ فطر کے نصاب پر سال بھر گذرنا بھی شرط نہیں، بلکہ اُسی روز نصاب کا مالک ہوا ہو تو بھی صدقۂ فطر ادا کرنا واجب ہے۔ (مستفاد از تعلیم الاسلام حصہ چہارم).

(ولا في ثياب البدن) لمحتاج إليها لدفع الحر والبرد ابن ملك (وأثاث المنزل ودور السكنى ونحوها) وكذا الكتب وإن لم تكن لأهلها إذا لم تنو للتجارة۔ (الدر المختار مع رد المحتار :۲/۲۶۵، كتاب الزكاة، ط: دار الفكر، بيروت).

وشرط عندنا (لوجوب صدقة الفطر) ملك النصاب الفاضل عن حاجته الأصلية من غير اشتراط النماء۔ (لمعات التنقيح في شرح مشكاة المصابيح ۲۸۱/۴ دار النوادر).

تجب (صدقة الفطر) على حر مسلم مكلف مالك لنصاب أو قيمته وإن لم يحل عليه الحول۔ (مراقي الفلاح مع الطحطاوي / باب صدقة الفطر ۵۹۵ مصري).

هذا ما ظهر لي والله أعلم وعلمه أتم وأحكم

حرره العبد محمد شاكر نثار المدني القاسمي غفر له

استاذ الحديث والفقه بالمدرسة الإسلامية العربية

بيت العلوم سرائمير اعظم جره الهند ------

14 - 9 - 1439ه 30 - 5 - 2018م الأربعاء -----

استنجا خانہ اور مسجد

بقلم :- مولانا محمد شفیق قاسمی اعظمی

اکثر اوقات مساجد میں دیکھا کہ استنجا خانے عجب نقشے کے حامل ہوتے ہیں۔۔۔
بعض جگہ دیواریں محض تین سے پانچ فٹ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔بعض جگہ دروازے اس طرح سے بنائے جاتے ہیں کہ ایک آدھ انچ کی دارز باقی رہ جاتی ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔مسجد زیرِ تعمیر ہو تو بات سمجھ بھی آتی ہے، بعض جگہ فنڈز کی شدید کمی بھی محسوس ہوتی ہے۔۔۔۔۔۔۔
لیکن
جب ایسی مساجد میں یہ مناظر دیکھتا ہوں جہاں مسجد کی اپنی تعمیر عالیشان ہوتی ہے،
عالیشان نہ سہی لیکن بہرحال پیسہ خرچ نظر ہوا آتا ہے۔۔۔۔ رنگین نرم ودبیز کارپٹ۔۔
سپلٹ اے سی(کچھ جگہ بڑے یونٹ بھی)
خوبصورت فانوس بھی نظر آجاتے ہیں۔۔۔۔
آدھی دیواروں پر ٹائلیں بھی نظر آتی ہیں۔۔۔
ستون اور محراب میں میناکاری پر نظر بھی پڑتی ہے۔۔۔۔
تو یہ سوچنے پر مجبور ہوتا ہوں
کہ
ستر تو فرض ہے۔۔۔۔ پردہ تو حیا کا محافظ ہے۔۔۔۔۔
پھر یہ استنجا خانوں کی تین سے پانچ فٹ کی دیواریں کیسی، چھوٹے دروازے کیسے، دروازوں میں سے جھانکتی درازیں کیسی۔۔۔۔۔

ہم سب کا کام ہے کہ کم ازکم اپنے محلے کی مساجد میں یہ کمی دور کرنے کی کوشش کریں۔
اگر زیادہ خرچہ ہے تو ایک یا دو استنجا خانوں سے معاملہ شروع کرو۔۔۔۔۔
امام صاحب، انتظامیہ اور دیگر نمازیوں سے بات کریں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اگر لوگ توجہ نہ دیں
تو ہم خیال لوگ ساتھ ملائیں تاکہ یہ معاملہ اجتماعیت کی صورت میں حل ہو۔۔۔۔۔۔
اور اگر انفرادی استطاعت ہے تو پھر کیا کہنے۔۔۔۔۔۔۔
مسجد کے ہال اور صحن کے لیے بھی ضرور دیں لیکن بہرحال استنجا خانوں کی طرف بھی توجہ لازم ہے۔۔۔۔۔
یہ کام مخلوق کو نظر آئے یا نہ آئے لیکن خالق کو ضرور نظر آئے گا جس نے ستر ہم سب پر فرض کیا ہے۔۔۔۔۔۔

نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے طریقے کا کچھ خلاصہ دیکھتے ہیں تاکہ معلوم ہو کہ حیا کی حفاظت کتنی لازم چیز ہے۔۔۔۔۔۔
جنگل یا شہر کے باہر میدان میں قضائے حاجت کی ضرورت پیش آئے تو اتنی دُور جانا چاہیے کہ لوگوں کی نگاہ نہ پڑے۔۔۔۔۔
یا کسی نشیبی زمین میں چلا جائے جہاں کوئی نہ دیکھ سکے۔۔۔۔۔۔

جب آبادی سے دور اتنی احتیاط کی ہدایت ہے تو پھر کیسے مسجد کے ایک دوسرے سے متصل استنجا خانوں میں درج بالا بداحتیاطی کا جواز بنتا ہے۔۔۔۔۔۔
ستر یقینی بنانا، حیا کی حفاظت کا ایک اہم جُزو ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

سوشل میڈیا پر قائدین کا تصویری سیلاب

بقلم :- مفتی محمد عبید اللہ قاسمی، دہلی

بعض بڑے علماء کہلانے والے لوگوں کی طرف سے سوشل میڈیا پر تصویروں اور فوٹوز کے بہتے سیلاب کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے. طرفہ تماشہ تو یہ ہے کہ بعض اپنے ہی اداروں کے دار الافتاؤں کے فتوے کے خلاف یعنی حکمِ شرعی کے خلاف تصویر کی وباء کو فروغ دینے میں مصروف نظر آتے ہیں. یہ تضاد اور حکمِ شرعی کے استہزاء پر اصرار ناقابلِ فہم ہے اور عوام کے درمیان ایسے لوگوں کا دو رخا پن طشت ازبام کرکے علماء پر اعتماد کو کمزور کرنے کا سبب بنتا ہے.

حیرت بالائے حیرت ہے کہ اب دینی جلسوں کے قد آدم اشتہارات میں بھی تصویروں کا رواج شروع ہوگیا ہے. قدم بقدم پیش رفت بڑھتی جارہی ہے. ڈر ہے کہ کل کہیں دینی مجالس کی تصویریں اخلاص کے ساتھ قبروں میں بھی نہ رکھی جانے لگیں.

کاش ایسے بڑے علماء تصویروں کی ممانعت کی ہدایت جاری کرتے اور دیگر علماء بھی بلاضرورت تصویری وباء سے خود کو محفوظ رکھتے.

محمد عبید اللہ قاسمی، دہلی

مورخہ 11 مارچ، 2021

شب براءت

بقلم :- مولانا ولی اللہ مجید قاسمی

ماہ شعبان کی پندہویں رات کو "شب براءت " کہتے ہیں۔ "براءت" عربی لفظ ہے جس کے معنی ہیں بری ہونا، نجات اوررہائی پانا۔ چونکہ یہ گناہوں سے معافی اور جہنم سے نجات کی رات ہے، اس لیے اسے "شب براءت" کہاجاتا ہے۔ اس رات کے ساتھ شعبان کا پورا مہینہ ہی اللہ کی رحمت اور انواروبرکات کے نزول کا مہینہ ہے۔ اس میں اس سے زیادہ اہم بابرکت اور مقدس مہینے کے استقبال کی تیاری کرائی جاتی ہے۔اس لئے اس ماہ مبارک میں اللہ کی رحمتوں کی بارش ہوتی رہتی ہے تاکہ بندہ گناہوں سے دھل دھلاکر بالکل پاک وصاف ہوجائے اور مضان المبارک کی برکتوں سے صحیح معنی میں فیض یاب ہوسکے۔

اوریہی وہ مہینہ ہے جس میں بندوں کے اعمال اللہ کے حضور پیش کئے جاتے ہیں۔بڑا ہی خوش نصیب ہے وہ بندہ جس کے متعلق فرشتے جاکر کہیں کہ بارالہا ! ہم ایک بندہ کو اس حال میں چھوڑ آئے ہیں کہ وہ تیری محبت اور یاد میں زندگی کی ایک ناگزیر ضرورت(کھانے اور پینے سے) کنارہ کش تھا،چنانچہ حدیث میں ہے کہ:

عن أسامة بن زيد قال: قلت يارسول اللهﷺ! لم أرک تصوم فی شهر من الشهور ماتصوم من شعبان ۔ قال: ذالک شهر يغفل الناس عنه بين رجب ورمضان وهو شهر يرفع فيه الاعمال الی رب العالمين و احب ان يرفع عملی وانا صائم ۔ (اخرجه النسائی وابوداؤد وصححه ابن خزيمة)

"حضرت اسامہ بن زیدؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ جس قدر شعبان کے مہینہ میں آپ روزہ رکھتے ہیں، میں آپ کو دوسرے مہینوں اتنا روزہ رکھتے ہوئے نہیں دیکھتا ہوں! آپ ﷺ نے فرمایا کہ رجب اور رمضان کے درمیان یہ ایسا مہینہ ہے جسے لوگ غفلت میں گزار دیتے ہیں، حالانکہ یہ وہ مہینہ ہے جس میں رب العالمین کے حضور بندوں کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں،لہذا میں چاہتا ہوں کہ میرے اعمال اس حالت مین پیش کئے جائیں کہ میں روزے سے ہوں۔"

(امام نسائی اور ابوداؤد نے اس کی روایت کی ہے اور محدث ابن خزیمہ نے اسے صحیح قراردیا ہے۔)

خلوت وجلوت کی راز دار اور مزاج آشنائے رسول، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اس ماہ مبارک میں آپؐ کی سرگرمیوں کا ذکر ان الفاظ میں بیان کرتی ہیں:

ما رأیت رسول اللہ ﷺ استکمل صیام شهر قط الا شهر رمضان، وما رايت فى شهرا اکثر منه صياما فى شعبان ۔(متفق علیه) (1)

"میں نے رسول اللہ ﷺ کو رمضان کے سوا کسی دوسرے مہینے میں پورے مہینہ روزہ رکھتے ہوئے نہیں دیکھا؛ اور شعبان کے مہینے میں جس کثرت سے روزہ رکھتے ہوئے انہیں دیکھا ہے اس طرح سے کسی دوسرے مہینے میں نہیں دیکھا۔"

(امام بخاری ومسلم نے اس کی روایت کی ہے۔)

حضرت عائشہؓ ہی سے منقول ایک دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں:

ان النبی ﷺ کان یصوم الشعبان کله۔ قالت . قلت یا رسول اللہ ﷺ احب الشهور الیک ان تصومه شعبان :قال: ان اللہ یکتب فیه علی کل نفس میتة

تلک السنۃ فاحب ان یاتینی اجلی وانا صائم۔

(رواہ ابو یعلی وھو غریب واسنادہ حسن) (2)

"نبی ﷺ پورے شعبان کا روزہ رکھتے تھے۔ میں نے عرض کیا، اللہ کے رسول! روزہ رکھنے کے لئے آپ کا سب سے پسندیدہ مہینہ شعبان ہے۔ آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ اس مہینے میں اللہ تبارک وتعالیٰ اس سال مرنے والے کا نام لکھ دیتا ہے، میں چاہتا ہوں کہ میری موت جب آئے تو میں روزے سے ہوں۔"

(ابو یعلی نے اس کی روایت کی ہے اور سند حسن ہے۔)

اور آپ ﷺ کی زوجہ مطہرہ حضرت ام سلمہ بیان فرماتی ہیں:

ان النبی ﷺ لم یکن یصوم من السنۃ شھرا تاما الا شعبان یصل بہ رمضان۔

(رواہ الخمسۃ) (3)

"نبی ﷺ سال کے کسی مہینہ میں پورے مہینہ روزہ نہ رکھتے تھے، البتہ شعبان میں مہینے بھر روزہ رکھتے تھے یہاں تک کہ رمضان آجاتا۔"

واضح رہے کہ آخر دونوں روایتوں میں پورے مہینے نفلی روزہ رکھنے کا تذکرہ موجود ہے جب کہ پہلی روایت میں مہینے کے بیشتر دنوں میں روزہ رکھنے کا ذکر ہے۔ ان دونوں روایتوں کے پیش نظر شارحین حدیث کا خیال ہے کہ کبھی آپؐ شعبان کے پورے مہینے روزہ رکھتے تھے اور کبھی مہینے کے بیش تر دنوں میں۔

یہ بھی ذہن میں رہنا چاہئے کہ شعبان کی عظمت کا تقاضا یہ ہے کہ اس میں کثرت سے روزہ رکھا جائے جیسا کہ آنحضور ﷺ سے منقول بھی ہے مگر امت کے ضعف کا خیال کرتے ہوئے آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ:

اذا انتصف شعبان فلا تصوموا۔(4)

”پندرہویں شعبان کے بعد روزہ مت رکھو۔“

تاکہ رمضان کے روزے کے لئے قوت اور نشاط باقی رہے اور ضعف اور کمزوری پیدا نہ ہو جائے۔

چنانچہ مشہور محدث ملا علی قاری اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں:

والنھی للتنزیہ رحمۃ علی الأمۃ أن یضعفوا عن القیام بصیام رمضان علی وجہ النشاط۔

”یعنی پندرہ شعبان کے بعد روزہ نہ رکھنے کا حکم تنزیہی ہے اور یہ آپؐ نے امت کے حق میں شفقت ورحمت کیوجہ سے منع فرمایا ہے تاکہ رمضان کے لئے جو نشاط مطلوب ہے، اس میں کمی نہ آجائے۔“

غرض یہ کہ شعبان کا پورا مہینہ اپنی بعض خصوصیات کی وجہ سے اس لائق ہے کہ اس میں کثرت سے روزہ رکھاجائے اور عبادتوں کا خصوصی اہتمام کیاجائے البتہ امت کی کمزوری کے پیش نظر رمضان کی تیاری کے مقصد سے نصف شعبان کے بعد روزہ رکھنے سے منع کیا گیا ہے گویا کہ ان کے روزہ کے لئے پندرہ شعبان آخری سرحد ہے اور اس آخری دن میں ایسی خصوصیت پیدا کر دی گئی ہے کہ اگر کوئی دوسرے دنوں میں غافل رہا تو صرف اسی ایک رات اور دن میں استغفار، عبادت اور روزہ کے ذریعہ اللہ کی رحمتوں سے فیضیاب اور گناہوں کی آلائش سے پاک وصاف ہوسکتا ہے، جیسا کہ رسول کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

عن معاذ بن جبل عن النبی ﷺ قال: یطلع اللہ علیٰ جمیع خلقہ لیلۃ النصف من شعبان فیغفر لجمیع خلقہ الا لمشرک او مشاحن۔

”حضرت معاذ بن جبل نبی ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: پندرہ شعبان کی رات میں اللہ تعالیٰ تمام مخلوق پر خصوصی توجہ فرماتا ہے اور سب کی مغفرت کردیتا ہے سوائے مشرک اور عداوت رکھنے والے کے۔“

علامہ ہیثمی نے لکھا ہے کہ محدث طبرانی نے اس حدیث کو اپنی کتاب ”المعجم الکبیر“ اور ”المعجم الأوسط“ میں نقل فرمایا ہے اور اس کے راوی قابل اعتماد ہیں (ورجالھماثقات) (5) المعجم الکبیر، حمدی عبدالمجید سلفی کی تحقیق کے ساتھ شائع ہوچکی ہے۔

انہوں نے اس حدیث کے ذیل میں لکھا ہے کہ ہمارے (شیخ علامہ البانی) نے پندرہ شعبان سے متعلق ایک رسالہ کی تعلیق میں لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے کیوں اس کے بکثرت شواہد موجود ہیں۔ اور اس حدیث کے مختلف سندوں سے جو شخص آگاہ ہوگا اسے اس میں کوئی شک نہیں رہ جائے گا کہ حدیث صحیح ہے۔ (6)

اس حدیث کو علامہ بیہقی نے بھی ”شعب الایمان“(7) اور ”فضائل الاوقات“ میں نقل کیا ہے اس کے محقق عدنان عبدالرحمن نے لکھا ہے کہ ”اسنادہ حسن“۔(8) محدث ابن حبان نے بھی اس حدیث کی روایت کی ہے، اور محقق شعیب ارناؤط نے لکھا ہے کہ حدیث صحیح ہے اور اس کے رجال ثقہ اور قابل اعتماد ہیں۔ (9)

عن عبداللہ بن عمرو ان رسول اللہ ﷺ قال: یطلع اللہ عزوجل الی خلقه

لیلة النصف من شعبان فیغفر لعبادہ الا الاثنین: مشاحن وقاتل نفس۔

”حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ شعبان کی پندرہویں رات میں اپنی مخلوق کی طرف خصوصی نظر رحمت فرماتا ہے

اور تمام بندوں کی مغفرت کر دیتا ہے سوائے دشمنی کرنے والے اور قاتل کے۔"
امام احمد بن حنبل نے اس حدیث کی روایت کی ہے، اور محدث ہیثمی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کے تمام راوی قابل اعتماد ہیں، صرف ایک روای " ابن لہیعہ " (لین) کمزور ہے۔ (10)

یہ ذہن میں رہنا چاہئے کہ ابن لہیعہ ایک سچے اور صحیح راوی ہیں، عدالت و صداقت کے اعتبار سے ان پر انگلی نہیں اٹھائی جاسکتی ، لیکن ان کے ساتھ المیہ یہ ہوا کہ حدیث کی جو کتاب انھوں نے مرتب کی تھی وہ جل گئی اور پھر اس کے بعد یاداشت میں بھی کمی واقع ہوگئی جس کی وجہ سے زبانی روایت میں اختلاط کا شکار ہوجایا کرتے تھے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:صدوق من السابعۃ خلط بعد احتراق کتبہ" (11) لہذا دوسرے ذریعہ سے ان کی روایت کی تائید ہوجائے تو اس میں قوت آجاتی ہے اور استدلال کے لائق ہوجاتی ہے، یہاں بھی صورت حال یہی ہے کہ "ابن لہیعہ" اس روایت کو تنہا نقل نہیں کرتے ہیں کہ ان کے ساتھ رشدین بن سعد بن حیی بھی ہیں۔ لہذا یہ روایت درجہ حسن سے کمتر نہیں ہے۔ چنانچہ شیخ ناصرالدین البانی لکھتے ہیں:

قال الحافظ المنذری: واسنادہ لین ولکن تابعہ رشدین بن سعد بن حیی بہ

اخرجہ ابن حیوۃ فی حدیثہ فالحدیث حسن۔(12)

"حافظ منذری نے کہا کہ اس کی سند قدرے کمزور ہے لیکن رشد بن سعد نے ان کی متابعت کی ہے جس کی تخریج ابن حیوۃ نے کی ہے۔ لہذا حدیث حسن ہے۔"

عن ابی بکر الصدیق عن النبی ﷺ قال: ینزل اللہ الی سماء الدنیاء لیلۃ

النصف من شعبان فیغفر ۔لکل شی الا رجل مشرک او رجل فی قلبه شحناء ۔
”حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ پندرہ شعبان کی رات میں اللہ تعالیٰ دنیاوی آسمان کی طرف نزول فرماتا ہے۔ اور ہر کسی کی مغفرت فرمادیتا ہے۔سواء مشرک کے یا اس شخص کے جس کے دل میں عداوت ہو۔“
علامہ بیہقی اور محدث بزار نے اس حدیث کی روایت کی ہے اور حافظ منذری نے لکھا ہے کہ اس کی سند میں کوئی حرج نہیں ہے۔(13) اور شیخ البانی کا بھی یہی خیال ہے۔ (14)
اسی طرح کی روایت حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت عوف بن مالک سے بھی منقول ہے لیکن سلسلہ سند کے بعض راوی ضعیف ہیں۔(15)نیز کثیر بن مرہ حضرمی بھی اسی جیسی روایت نبی ﷺ سے نقل کرتے ہیں لیکن سلسلہ اسناد متصل نہیں ہے،تاہم روایت کرنے والے قابل اعتماد ہیں چنانچہ علامہ بیہقی لکھتے ہیں کہ ھذا مرسل جید۔(16)
حضرت عائشہؓ سے منقول ایک طویل حدیث کا آخری ٹکڑا یہ ہے:

قال: ھٰذہ لیلة النصف من شعبان ۔ ان اللہ عزو جل یطلع علیٰ عبادہ فی لیلة النصف من شعبان فیغفر للمستغفرین ویرحم المسترحمین ویو خر اھل الحقد کما ھم۔
” آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ شعبان کی پندرہویں شب ہے، اللہ تعالیٰ اس رات اپنے بندوں پر نظر رحمت فرماتا ہے۔ لہذا مغفرت چاہنے والوں کی مغفرت اور رحم چاہنے والوں پررحم فرماتا ہے ۔اورکینہ وروں کو ان کے حال پر چھوڑ دیتا ہے۔
علامہ بیہقی نے اس حدیث کی روایت کی ہے اور کہاکہ ” ھذا مرسل جید “کیونکہ حضرت عائشہؓ سے نقل کرنے والے راوی حضرت علاء کاسماع ان سے ثابت نہیں ہے۔ (17)
حضرت عائشہؓ سے منقول ایک دوسری حدیث میں ہے کہ

ان اللہ تبارک وتعالیٰ ینزل لیلۃ النصف من شعبان الیٰ سماء الدنیا فیغفر لاکثر من عدد شعر غنم کلب ۔

”اللہ تبارک وتعالیٰ شعبان کی پندرہویں شب میں آسمان دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے اور بنوکلب کی بکریوں کے بالوں سے بھی زیادہ لوگوں کی مغفرت فرمادیتاہے۔“

امام ترمذی وغیرہ نے اس حدیث کو نقل کیاہے اور اسنادی حیثیت سے اسے ضعیف قراردیا ہے۔ لیکن متعدد ذرائع سے روایت کی تائید ہونے کی وجہ سے اس میں قوت آجاتی ہے جیسا کہ شیخ البانی کہتے ہیں:

وجملۃ القول ان الحدیث بمجموع ھذہ الطرق صحیح بلا ریب والصحۃ تثبت باقل منہا عدداً مادامت سالمۃ من الضعف الشدید کماھو الشان فی ھذا الحدیث ۔ (18)

”حاصل گفتگو یہ ہے کہ حدیث ان تمام طرق کی وجہ سے بلاشبہ صحیح اورحدیث کی صحت تو اس سے کم سے بھی ثابت ہوجاتی ہے جب کہ اس میں شدید ضعف نہ پایا جائے جیسا کہ اس حدیث کا معاملہ ہے۔“

پندرہ شعبان کی فضیلت سے متعلق ایک روایت حضرت ابو موسیٰ اشعری سے بھی منقول ہے جسے شیخ البانی نے حسن قرار دیا ہے۔(19) نیز صحابی رسول حضرت ابوثعلبہ خشنی نے بھی اس طرح کی روایت نقل کی ہے جس کے متعلق علامہ بیہقی نے لکھا ہے کہ یہ ایک عمدہ مرسل روایت ہے(مرسل جید)(20) ۔ اسی طرح حضرت عثمان بن ابی العاص سے بھی اس کی فضیلت سے متعلق حدیث مروی ہے جسے علامہ بیہقی نے ”فضائل الأ وقات“

میں نقل کیا ہے اور اس کے محقق عدنان عبدالرحمن نے لکھا ہے کہ اس کی سند حسن ہے۔(21)

غرض یہ کہ پندرہ شعبان کی فضیلت واہمیت سے متعلق اتنی احادیث ہیں کہ اس کے ہوتے ہوئے یہ کہہ دینا کہ اس کی فضیلت سے متعلق کوئی صحیح حدیث موجود نہیں ہے، جہالت اور لاعلمی پر مبنی ہے۔اور جیسا کہ گزرچکا ہے کہ اس سلسلہ کی بعض احادیث صحیح اور کچھ حسن ہیں، بعض روایتوں کا ضعف بھی ہمیں تسلیم ہے لیکن دیگر تائید ی روایتوں کی وجہ سے اس میں بھی قوت آجاتی ہے۔اور مجموعی طور پر ان سے پندرہ ہویں شعبان کی فضیلت ثابت ہوجاتی ہے۔ چنانچہ مشہور اہل حدیث عالم دین شیخ عبدالرحمن مبارکپوری لکھتے ہیں:

فهذه الأحاديث بمجموعها حجة على من زعم أنه لم يثبت في فضيلة النصف من شعبان شيء۔(22)

”یہ احادیث مجموعی اعتبار سے ان لوگوں کے خلاف دلیل ہیں جن کا یہ خیال ہے کہ پندرہ شعبان کی فضیلت کے سلسلہ میں کچھ ثابت نہیں ہے۔“

اور علامہ عبیداللہ مبارک پوری لکھتے ہیں:

”یہ تمام حدیثیں اس پر دلالت کرتی ہیں کہ پندرہ شعبان کی رات بڑی فضیلت کی رات ہے۔ اس کا مقام ومرتبہ بڑا بلند ہے۔عام راتوں کی طرح نہیں یہ ہے۔ لہذااس سے غفلت برتنا مناسب نہیں بلکہ مستحب ہے کہ عبادت اورذکر وفکر میں یہ رات گزارے۔“(23)

متعدداحادیث کے سلسلہ میں شیخ البانی کی رائے گزرچکی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ

انہیں شب براءت سے متعلق احادیث کی صحت پر مکمل اطمینان ہے۔ چونکہ انہوں نے اس مسئلہ میں بڑی چھان بین کی ہے۔ اس لیے وہ بڑے واضح انداز میں کہتے ہیں کہ:

”جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ پندرہ شعبان کی رات سے متعلق کوئی صحیح حدیث موجود نہیں ہے، ان پر اعتماد نہیں کرنا چاہئے۔ اگر کسی نے یہ بات کہی ہے تو وہ جلد بازی کا نتیجہ ہے اور اس نے اس طرح سے احادیث کے طریقوں کی جستجو اور تحقیق نہیں کی ہے جس طرح کی تحقیق تمہارے سامنے ہے۔(24)

ان احادیث کے ساتھ سلف کے عمل سے بھی اس رات کی فضیلت اوراہمیت کی تائید ہوتی ہے کہ وہ اس رات کو دیگر راتوں کے بالمقابل خصوصی اہمیت دیتے تھے اورشب بیداری کا اہتمام کرتے تھے۔ چنانچہ علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

اما لیلۃ النصف من شعبان فقد روی فی فضلھا احادیث و آثار و نقل عن طائفۃ من السلف انھم کانوا یصلون فیھا۔ فصلاۃ الرجل فیھا وحدہ قد تقدمہ فیہ سلف ولہ فیہ حجۃ فلا ینکر مثل ھذا۔ (25)

”شعبان کی پندرہویں رات کے متعلق بہت سی احادیث اورآثار مروی ہیں اور سلف کی ایک جماعت سے منقول ہے کہ وہ اس رات میں نماز پڑھا کرتے تھے، لہٰذا اس رات میں تنہا نماز پڑھنے والے کے لئے سلف کا عمل بطور نمونہ موجود ہے،اس میں اس کے لیے دلیل ہے لہٰذا اس جیسے عمل کا انکار نہیں کیاجاسکتا ہے۔“

علامہ ابن الحاج مالکی سنت کے بڑے دلدادہ اور بدعت سے سخت متنفر تھے بلکہ اس سلسلہ میں ان کی اندر ایک گونہ شدت پائی جاتی تھی۔ ”المدخل“ کے نام سے انہوں نے ایک

کتاب لکھی ہے اور عوام کے درمیان رائج بدعات پر بڑی تفصیلی روشنی ڈالی ہے اور دلائل سے ان کو رد کیا ہے۔ اس کتاب میں شب براءت کی فضیلت واہمیت پر انھوں نے لکھا ہے:

”بلا شبہ یہ رات بڑی بابرکت اور اللہ کے یہاں بڑی عظمت والی ہے ۔۔۔ ہمارے اسلاف اس کی بڑی تعظیم کرتے تھے اور اس کے آنے سے پہلے ہی تیاری کرلیتے اور جب یہ رات آجاتی تو وہ اس کی ملاقات اوراس کی حرمت و عظمت کو بجالانے کے لیے بالکل مستعد ہوتے ، کیوں کہ یہ معلوم ہوچکا ہے کہ وہ شعائر اللہ کا بہت احترام کرتے تھے۔ (26)

حضرت خالد بن سعد ان بڑے درجے کے فقیہ اور محدث ہیں۔ ستر صحابہ کرام کی دیدار کا شرف انہیں حاصل رہا ہے۔ اسی طرح حضرت مکحول شامی ایک جلیل القدر تابعی ہیں۔ اس دور کے علماء اورفقہاء آپ کی جلالتِ علمی کے معترف اور آپ کی شاگردی پر نازاں تھے۔ حدیث کی کتابوں میں سینکڑوں حدیثیں ان کے واسطے سے منقول ہیں، خود شعبان کی فضیلت سے متعلق حدیث کے وہ راوی ہیں۔ یہ دونوں حضرات شعبان کی پندرہویں شب کی بڑی تعظیم کرتے تھے اور اس میں خوب عبادت کیا کرتے تھے(27)۔

ان حضرات کے علاوہ دوسرے تابعین اور تبع تابعین کا بھی یہی طرز عمل تھا۔ یہ اور بات ہے کہ تاریخ کے صفحات نے ان میں سے صرف چند افراد ہی کے نام کو محفوظ رکھا جیسا کہ علامہ ابن تیمیہ اور علامہ ابن الحاج مالکی کے حوالے سے نقل کیا جاچکا ہے۔

حاصل یہ ہے کہ شعبان کا پورا مہینہ بڑی عظمت ،اہمیت اوربرکت کا حامل مہینہ ہے۔ اس پورے مہینے میں عبادت وغیرہ کااہتمام کرناچاہئے، خصوصی طور پر اسکی فضیلت کا مرکزی

نقطہ پندرہویں شب ہے جس کی فضیلت کے سلسلہ میں دس صحابہ کرام سے احادیث منقول ہیں جن سے مجموعی طور پر اس شب کی فضیلت کا اندازہ ہوتا ہے اور خود صحابہ کرام اور تابعین عظام کے دور میں اس رات کی فضیلت سے فائدہ اٹھانے کا اہتمام کیاجاتا رہا ہے، بلکہ ہر دور میں اس امت کے فقہاء علماء کے یہاں اس رات میں ذکر وتلاوت اور عبادت وغیرہ کا معمول رہا ہے۔ اور یہ عملی تواتر بذات خود ایک دلیل ہے، کیوں کہ امت محمدیہ کا اجتماعی طور پر کسی چیز کو قبول یارد کردینا دین کے مجموعی مزاج سے موافقت اور عدم موافقت کو ظاہر کرتاہے، یقیناًیہ عملی تواتر اور تاریخی تسلسل اس لائق ہے کہ اس وجہ سے روایت بھی قبول کی جائے جن کے راویوں میں کچھ کمزوری ہے کیوں کہ امت کا یہ باہمی تعامل اسے قوی سے قوی تر بنادے گا، یہ خود ایک قوی سلسلۂ اسناد ہے کہ اس کے سامنے وہ سلسلہ اسناد ہیچ ہے جس میں محض ایک ایک راوی ہوں جیسا کہ علامہ سخاوی لکھتے ہیں: وکذااذا تلقت الأمة الضعیف باالقبول یعمل به علی الصحیح حتی انه ینزل منزلة المتواتر فی انه ینسخ به المقطوع۔(28)

”ایسے ہی جب امت کسی ضعیف حدیث کو قبول کرلیتی ہے تو صحیح قول کے مطابق اس ضعیف حدیث پر عمل کیاجائے گا یہاتک کہ وہ متواتر کے درجے میں ہوجاتا ہے کہ اس سے قطعی حکم کو بھی منسوخ کیاجاسکتاہے۔

لہذااس رات کو غنیمت جان کر اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اس شب میں بیدار رہ کر اللہ تبارک و تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگیں، زندگی جو معصیت میں گزری ہے، اس سے توبہ کریں اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا عہدو پیماں باندھیں ، رزق

حلال طلب کریں۔ لیکن یہ خیال رہے کہ نفلی عبادتوں میں تنہائی افضل ہے لہذااس رات میں مساجد وغیرہ کے اندر اجتماعی عبادت مکروہ ہے۔(29) کیوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے نوافل کے ذریعہ سے اپنے دربار میں خلوت اورتنہائی کا موقع فراہم کیا ہے،یہ اس ذات پاک کی طرف سے بندہ کے لیے ایک انعام ہے لہذا اس خلوت کے موقع کو جلوت سے بدل دینا، انفرادی ملاقات کو جماعت کی شکل دے دینااس انعام کی ناقدری ہے، اور سنت رسول اللہ ﷺ کی خلاف ورزی ہے کہ اس رات میں آپ ﷺ سے انفرادی عبادت ہی منقول ہے،اور سنت کے مطابق اخلاص کے ساتھ چند لمحے کی عبادت رات بھر کے اس عبادت سے بہتر ہے جس میں سنت کی خلاف ورزی ہورہی ہو۔ چنانچہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کاارشاد ہے کہ:

”(شب براءت میں) کوئی اپنے گھر میں صرف ایک سپارہ پڑھے، یہ اس کے لیے مسجد میں پورا قرآن ختم کرنے سے بہتر ہے۔“(30)

لہذااس خیال کو ذہن سے نکال دیناچاہیۓ کہ تنہا عبادت کرنے میں نیند آنے لگتی ہے لہذا زیادہ سے زیادہ عبادت کرنے کے لیے اجتماعی نظم مناسب ہے۔ کیونکہ اللہ کے یہاں مقدار اور سائز کااعتبار نہیں ہے بلکہ وہاں اتباع سنت اوراخلاص دیکھاجاتا ہے۔

دوسرے یہ کہ جہاں بکثرت لوگ جمع ہوتے ہیں، وہاں شور وشغب سے بچنا مشکل ہوتا ہے۔ بھلا ایسے شوروشغب میں عبادت کے لیے مطلوب یکسوئی اورسکون کیسے میسرہوسکتاہے؟ اس طرح سے شب بیداری کرناتو رات کو ضائع کرنا ہے۔

یہ بھی ذہن میں رہناچاہیۓ کہ یہ رات جشن اور تہوار منانے کی رات نہیں ہے، اورنہ تو روحوں کے نے کی رات ہے، لہذا عمدہ کھانے کااہتمام کرنا، برادری اور فقیروں میں تقسیم

کرنا، گھروں کو سجانا، چراغاں کرنا سب ناجائز اور ممنوع ہے، کیونکہ یہ سب ہندوانہ رسم ورواج کی نقل ہے جسے وہ دیوالی کے موقع پر کیاکرتے ہیں۔(31)
پندرہویں شعبان کو روزہ رکھنا مستحب ہے کیونکہ حضرت علیؓ سے منقول ایک حدیث میں آنحضورﷺ نے اس دن روزہ رکھنے کا حکم دیا ہے۔یہ حدیث گرچہ ضعیف ہے لیکن بقول محدث کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمن اعظمیؒ، کسی ماہر حدیث عالم نے اس حدیث کو موضوع نہیں کہا ہے۔(32) لہذااس سے اس دن روزہ رکھنے کی ایک گونہ فضیلت معلوم ہوتی ہے۔ بلکہ بہتر یہ ہے کہ 13، 14، 15،تینوں دن روزے رکھے جائیں کہ ہر مہینہ کے ان ایام میں روزہ رکھنے کی فضیلت صحیح حدیثوں سے ثابت ہے۔

حواشی:

1۔ ایضاً، 245/4
2۔الترغیب والترھیب للمنذری، 79/2
3۔ نیل الاوطار 245/4
4۔ امام ابوداؤد اور ترمذی وغیرہ نے حدیث کی روایت کی ہے اور سند صحیح ہے۔ دیکھئے۔ بلوغ المرام، 139، تحقیق محمد حامد الفقی۔
5۔ مجمع الزوائد 8/56 ۔
6۔ المعجم الکبیر ، 108/20
7۔ شعب الایمان، 415/7
8۔ فضائل الاوقات، 119،
9۔ صحیح ابن حبان، 481/12

10۔ مجمع الزوائد ، 8/56
11۔ التقریب ، 1/244
12۔ سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ۔ 3/ 136
13۔ الترغیب ، 3/ 283
14۔ سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ، 3/137
15۔ مجمع الزوائد ، 8/ 65
16۔ شعب الایمان 7/ 414
17۔ حوالہ مذکور نیز الترغیب ، 3/284
18۔ سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ 3/138۔ اس روایت کو علامہ بیہقی نے شعب الایمان میں نقل فرمایا اوراس کے محقق عبدالعلی نے لکھا ہے کہ اس کے راوی قابل اعتماد ہیں البتہ راوی حدیث یحیٰ کا سماع حضرت عروہ سے ثابت نہیں ہے۔ (شعب الایمان ، 7/410) واضح رہے کہ مشہور ناقد حدیث حضرت ابن معین کا خیال ہے کہ یحیٰ کا سماع عروہ سے ثابت ہے۔دیکھئے معارف السنن ، 6/98۔
19۔ دیکھئے صحیح ابن ماجہ ،1/233۔
20۔ شعب الایمان 7/414۔1۔
21۔ فضائل الاوقات، 125۔
22۔ تحفۃ الاحوذی، 2/53
23۔ مرعاۃ المفاتیح، 4/342
24۔ سلسلۃ الأحادیث الصحیحۃ، 3/138۔

25۔ فتاوی ابن تیمیہ، 132/23
26۔ المدخل، 292/1۔
27۔ لطائف المعارف ، 144۔
28۔ فتح المغیث، 140، تفصیل کے لیے دیکھئے،"نماز کے بعد دعا" صفحہ 74۔75۔
29۔ دیکھئے ردالمحتار،507/1 البحرالرائق 52/2 وغیرہ
30۔ فوائد الفواد، 24،ط: نول کشور، 1326ھ
31۔ دیکھئے ماثبت بالسنۃ ،363
32۔ دیکھئے مجلہ المآثر، صفحہ :17، شمارہ جنوری تا مارچ 1994ء

قرآن کریم کی حفاظت

بقلم :- مولانا عبید اللہ شمیم قاسمی

قرآن کریم اللہ رب العزت کی آخری کتاب ہے، اس کی صداقت میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں، قرآن کریم کی ابتدائی آیات میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

"ذلك الكتاب لا ريب فيه" یہ ایسی کتاب ہے جس میں کوئی شبہ نہیں، یعنی اس کے کلام الہی ہونے اور اس کے جملہ مضامین کے واقعی ہونے میں کچھ شک نہیں۔

ایک دوسری آیت میں ارشاد فرمایا: {وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِمَّا نَزَّلْنَا عَلَى عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِنْ مِثْلِهِ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ} [البقرة: 23] ترجمہ: اور اگر تم شک میں ہو اس کلام میں جو اتارا ہم نے اپنے بندہ پر تو لے آؤ ایک سورت اس جیسی اور بلاو اس کو جو تمہارا مدد گار ہو اللہ کے سوا اگر تم سچے ہو۔

قرآن کریم کے نزول کے وقت کفار مکہ اسے جھٹلاتے تھے تو انہیں چیلنج کیا گیا کہ اس کلام کے اللہ کی طرف سے ہونے پر اگر تمہیں شک ہے تو اس جیسی ایک چھوٹی سی سورت بھی پیش کردو، لیکن وہ ایسا نہیں کرسکے، آگے قرآن کریم میں مزید چیلنج دیا گیا کہ اگر پورے جن وانس کو بھی جمع کرلو تب بھی اس جیسا قرآن نہیں لاسکتے۔ چنانچہ سورہ الاسراء میں ارشاد ربانی ہے: {قُلْ لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى أَنْ يَأْتُوا بِمِثْلِ هَذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا} [الإسراء: 88]۔

ترجمہ: کہہ کہ اگر جمع ہوں آدمی اور جن اس پر کہ لائیں ایسا قرآن، ہرگز نہ لائیں گے ایسا قرآن اور بعض مدد کیا کریں ایک دوسرے کی۔

اس کتاب کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالی نے لیا ہے، اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

"إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ" (سورۃ الحجر: ۱۴)ہم نے ہی قرآن کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے۔ یہ پہلی وہ آسمانی کتاب ہے، جس کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالی نے خود لیا، گویا اس کی حفاظت کے لیے یہ وعدہ الٰہی ہے اور قرآن کا اعلان ہے:"إِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ"(سورۃ آل عمران:۹)اللہ تعالی کبھی بھی وعدہ خلافی نہیں کرتے۔۔۔۔ بس اللہ نے اپنا یہ وعدہ سچ کر دکھایا۔

اللہ رب العزت نے اس کی حفاظت کے لیے جتنے اسباب و وسائل اور طریقے ہوسکتے تھے، سب اختیار کئے، اور یوں یہ مقدس اور پاکیزہ کتاب ہر لحاظ اور ہر جانب سے مکمل محفوظ ہوگئی۔

الحمدللہ آج چودہ سو سال سے زائد مدت گذرنے کے بعد بھی اس میں رتی برابر بھی تغیر و تبدل نہ ہوسکا، لاکھ کوششیں کی گئیں، مگر کوئی ایک کوشش بھی کامیاب اور کارگر ثابت نہ ہوسکی، اور نہ قیامت تک ہوسکتی ہے۔ ہندوستان میں جب انگریزوں کا تسلط ہو تو اس وقت لاکھوں قرآن نذر آتش کر دیئے گئے مگر قرآن کریم میں کوئی تبدیلی نہیں آئی وہ جیسا نازل ہوا تھا اسی طرح محفوظ ہے۔ روس میں ستر سالہ کمنیوزم کے زمانے میں جب کہ وہاں پر اللہ کا نام لینے پر بھی پابندی تھی اور قتل کردیتے تھے، مگر ایسے حالات میں بھی قرآن کریم محفوظ رہا۔

امام قرطبی نے آیت کریمہ إنا نحن نزلنا الذکر کے تحت ایک واقعہ لکھا ہے کہ یحیی بن اکثم کہتے ہیں کہ مامون رشید کا زمانہ تھا، ایک دن اس نے حاضرین مجلس پر نظر ڈالی تو ایک خوبصورت خوش پوشاک حسین چہرے والے یہودی شخص کو دیکھا جس کے جسم سے خوشبو پھوٹ رہی تھی، مامون سے اس سے پوچھا کہ تم یہودی ہو، بات ختم ہوگئی، اتفاق سے ایک سال بعد پھر مجلس میں وہی شخص حاضر تھا، اس مرتبہ مسلمانوں کے لباس میں تھا، مامون نے اس سے پوچھا کیا تم وہی ہو؟ اس نے کہا: ہاں، تو پوچھا کہ اب مسلمان کیسے ہوئے؟ اس نے کہا میں ایک بہترین خطاط ہوں، پچھلے سال مجلس سے نکلنے بعد میں نے تین نسخے تورات کے تیار کئے اور تین نسخے انجیل کے تیار کئے اور تین ہی نسخے قرآن کریم کے تیار کئے، اور ان نسخوں میں جگہ جگہ جان بوجھ کر تحریف اور غلطیاں کیں۔ اور بازار میں بیچنے کے لیے نکلا، تورات اور انجیل کے نسخے منھ مانگی قیمت پر فروخت ہوگئے، مگر قرآن کریم کا ایک بھی نسخہ نہیں بکا، جس کسی کو دیتا وہ الٹ پلٹ کر دیکھتا اور کہتا کہ اس میں تو تحریف اور غلطیاں ہیں اس طرح قرآن کریم کی حقانیت اور اس کی حفاظت کا وعدہ، اس بات سے متاثر ہو کر میں مسلمان ہوگیا۔ (تفسیر قرطبی: ۱۰/۵).

قرآن کریم میں وارد احکامات قیامت تک کے لیے ہیں، اس میں کسی بھی طرح تبدیلی ممکن نہیں، اس لیے کہ قرآن کریم رہتی دنیا تک کے لیے ہے، اس کی آیات میں کسی طرح کی باطل کی آمیزش یا زیغ وضلال نہیں، یہ تو کتاب ہدایت ہے، ارشاد باری تعالی ہے: {لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ} الآية [فصلت: 42]

ترجمہ: اس پر جھوٹ کا دخل نہیں آگے سے اور نہ پیچھے سے، اتاری ہوئی ہے حکمتوں

والے سب تعریفوں والے کی۔
مگر جن کے دل باطل سے آلود ہوتے ہیں اور ان کے دلوں میں اسلام کے خلاف نفرت ہوتی ہے، وہ اس طرح کی باتیں کہ قرآن کریم کی آیات کو نکال دیا جائے، بوکھلاہٹ کی وجہ سے کرتے ہیں۔
آج وسیم رضوی نے قرآن کریم کی ۲۶ آیتوں سے متعلق یہ اپیل دائر کی ہے کہ انہیں قرآن سے نکال دیا ہے، ایک نہیں سو وسیم پیدا ہوجائیں اور بھونکتے رہیں، قرآن کریم میں ایک زبر، زیر پیش کی تبدیلی نہیں ہوسکتی، کیونکہ جب اس کی حفاظت کا وعدہ خود اللہ رب العزت نے لیا ہے تو یہ کتاب قیامت تک محفوظ رہے گی۔ اس طرح کی باطل ذہنیت والوں کے چیخنے چلانے سے کچھ نہیں ہو گا، بلکہ ایسے لوگوں کو دنیا ہی میں نشان عبرت بنادیا جائے گا، اور مرنے کے بعد جو حشر ہو گا وہ تو اللہ ہی جانتا ہے۔
ایسے موقع پر ہمارے لیے ضروری ہے کہ اس طرح کے بد باطن لوگوں کو ترکی بہ ترکی جواب دیا جائے، اور قرآن کریم سے ہماری محبت کا تقاضا ہے کہ ہم اس کی تلاوت کریں، اس کے احکامات پر عمل پیرا ہوں، اس کی تعلیمات کو عام کریں، اور دوسروں کو بھی اس پر عمل کرنے کی ترغیب دیں۔

قرآن نہ بدلا جائیگا

بقلم :- مفتی محمد اجود اللہ پھولپوری

دشمنان اسلام کے ایک پالتو فرد اور نطفئہ ناتحقیق وسیم رضوی نے ہائی کورٹ میں قرآن کریم کی چھبیس (26) آیات جہاد پہ پابندی لگانے کیلئے پی آئی ایل داخل کیا ہے جسے لیکر محبین قرآن میں ایک بے چینی اور غصہ پایاجارہا ہے جس کا مشاہدہ سوشل میڈیا کے پلیٹ فارم پر کھلی آنکھوں دیکھا اور سمجھا جاسکتا ہے کہنے کو تو یہ ناہنجار خود کو اہل تشیع سے وابستہ قرار دیتا ہے لیکن شیعوں کی تمام جماعتیں اس سے برأت کا اظہار کرتی ہیں حقیقت بھی یہی ہیکہ اس روسیاہ اور گمراہ کا کسی تنظیم سے تعلق نہیں بلکہ یہ فرقہ پرستوں کا پالتو کتا ہے جب جب اسے بھونکنے کا فرمان جاری کیا جاتا ہے یہ اپنے مالکوں کے ایماء پر اسلام دشمنی میں غلاظت کی الٹیاں کرتا رہتا ہے موجودہ قدم بھی مالکوں کی نمک حلالی کا بین ثبوت ہے

قرآن کریم جو کہ ایک کتاب ہدایت ہے اللہ رب العزت نے اپنے ماننے والوں کیلئے اسے نازل فرمایا ہے اس کتاب ہدایت میں مہد سے لحد تک زندگی گزارنے کے طریقہ کو بیان کردیا گیا ہے یہ کتاب اور اس کا ایک ایک حرف رہتی دنیا تک کیلئے مشعل ہدایت ہے

ہے قول خدا، ارشاد نبی فرمان نہ بدلا جائیگا
بدلے گا زمانہ لاکھ مگر قرآن نہ بدلا جائیگا

دنیا کا وجود اس کتاب کے وجود اور اسکے ماننے اور عمل کرنے والوں کے وجود کا رہین

منت ہے جب تک قرآن اور اسکے ماننے والے ہیں یہ دنیا آباد و شاداب رہیگی اور جس دن اس کے ماننے والے ختم ہوجائیگے یہ دنیا بھی برباد و ویران ہوجائیگی

حدیث عشق و ایمان است قرآن

صفا بخش دل و جان است قرآن

گلے از گلشن______فیض الھي

نہ تنہا گل ، گلستان است قرآن

کہنے والے جو چاہے کہ لیں بھونکنے والے جس قدر چاہیں گلا پھاڑ لیں دنیا کی جس عدالت کا دروازہ کھٹکھٹانا چاہیں کھٹکھٹا لیں اس کتاب ہدایت کی آیات تو چھوڑیئے ایک حرف بلکہ ایک زبر زیر بھی تبدیل نہیں کیا جاسکتا

ایک فرد کیا پوری ایک جماعت بلکہ میں تو کہتا ہوں دنیا کے تمام جابر و ظالم اور اہل اقتدار مل کے بھی اس کے ایک حرف کو اپنی جگہ سے ادھر ادھر نہیں کرسکتے کیونکہ اس کی حفاظت کا جس ذات نے وعدہ کیا ہے وہ احکم الحاکمین ہے وہ مالک یوم الدین ہے وہ خالق ارض و سماء ہے وہ مالک انس و جاں ہے اسکی اجازت کے بغیر دنیا کا ایک پتہ بھی جنبش نہیں کرسکتا اسکی عدالت دنیا کی تمام عدالتوں سے زیادہ پاور فل ہے وہ صاف لفظوں میں اعلان کرتا ہے

(إِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ)

اسکے اعلان کے بعد کس عدالت کی مجال جو اسکے فیصلہ سے اوپر جاسکے ہمت ہے تو جاکے دکھائیں وہ صرف فیصلوں کو ہی نہیں بلکہ جائے فیصلہ کو بھی الٹنے اور پلٹنے کی طاقت رکھتا ہے وہ دلوں کو سینوں کے اندر ہی دولخت کرنے کی قوت رکھتا ہے اسلئے گھبرانے کی

ضرورت نہیں یوں بھی سبب کے درجہ میں دیکھا جائے تو قرآن میں کسی قسم کی تحریف ممکن نہیں دس دس سال کے بچے اسے اپنے سینوں میں سجائے پھر رہے ہیں ایک ایک نشست میں پورا پورا قرآن الحمد سے والناس تک سنانے کی اہلیت رکھنے والے بچوں کی ایک کثیر تعداد امت مسلمہ کے درمیان موجود ہے

ہر سال لاکھوں کی تعداد میں حفاظ تیار ہوتے ہیں خود آپکے ادارہ مدرسہ اسلامیہ عربیہ بیت العلوم میں ہر سال حفظ مکمل کرنے والوں کی تعداد سو کے قریب ہوتی ہے سال گزشتہ الحمد للہ پچیس بچوں نے بیک نشست قرآن کریم سنانے کی سعادت حاصل کی لاک ڈاؤن ہونے کے باوجود امسال سترہ بچوں نے تکمیل حفظ کیا ایسے ہی ہزاروں اداروں میں لاکھوں طلباء حفظ قرآن کی سعادت سے بہرہ ور ہوتے ہیں

یہ راز کسی کو نہیں معلوم کے مؤمن ؛ قاری نظر آتا ہے، حقیقت میں ہے قرآن

بھونکنے والوں کو بھونکنے دیں جو ضروری اور قانونی طریقے ہیں اسے اپنائیں اور اس مردود لعین رجیم رضوی کا معاملہ اللہ پر چھوڑ دیں اور دعاء فرمائیں کہ اگر اسکے مقدر میں ہدایت ہے تو اللہ تعالی ہدایت نصیب فرمائیں اگر ہدایت مقدر نہیں تو اسے بدترین ہلاکت دے کر قرآن کریم سے بیر رکھنے والوں کیلئے نشان عبرت بنادے... آمین

مفتی محمد اجوداللہ پھولپوری

نائب ناظم مدرسہ اسلامیہ عربیہ بیت العلوم سرائمیر اعظم گڈھ

قرآن کریم ایک ناقابل تحریف کتاب

بقلم :- مولانا محمد صابر القاسمی

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے جسے اس اعلان کے ساتھ نازل فرمایا کہ ہم نے اس ذکر (قرآن) کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں اس لئے کہ انسان کے بس میں نہیں ہے کہ وہ اس کی حفاظت کرسکے، پچھلی امتوں نے آسمانی کتابوں کے ساتھ جو معاملہ کیا تھا وہ دنیا کے سامنے تھا، سابقہ آسمانی کتابوں میں سے کوئی کتاب ایسی نہیں ہے جو محرف نہ ہو، صرف قرآن پاک ہی ایسی کتاب ہے جس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی، قرآن کریم کی حفاظت جس طرح روز اول سے ہی کی گئی اور کی جارہی ہے وہ اپنی مثال آپ ہے، اللہ تعالیٰ کا وعدہ حرف بہ حرف سچ ثابت ہوا، قرآن مجید میں کسی قسم کی تحریف و ترمیم کی کوشش کامیاب ہوسکی ہے اور نہ ہوسکے گی۔

اسلام دشمن عناصر کی جانب سے قرآن کے خلاف طرح طرح کی سازشیں رچی گئیں، قرآن کو ضائع کرنے، مٹانے اور بدلنے کی ہر ممکن کوششیں ہوئی ہیں اور اس کا بدل تیار کرنے میں پوری توانائی صرف کردی گئی لیکن پورا قرآن تو کیا قرآن کی آیت جیسی ایک آیت بھی تیار نہ کی جاسکی، قرآن کا بدل پیش کرنے میں کسی کو کامیابی ملے تو کیسے ملے؟ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ,,اگر انسان اور جنات مل کر قرآن جیسی کتاب پیش کرنا چاہیں تو اس جیسی کتاب پیش نہیں کرسکتے خواہ اس سلسلے میں ایک دوسرے کی مدد کریں،،

(بنی اسرائیل:88)

مذکورہ آیت میں پورے قرآن کا بدل پیش کرنے کا چیلنج کیا گیا ہے ذیل کی آیت میں

قرآن کی کسی سورۃ جیسی ایک سورۃ بناکر لانے کی بات کہی گئی ہے، چنانچہ ارشاد ربانی ہے ,, اگر تم کو اس کتاب کے بارے میں ذرا شک و شبہ ہے جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کی ہے تو اس جیسی ایک سورۃ ہی بناکر لاؤ اگر تم سچے ہو اور اللہ کے علاوہ جتنے تمہارے حمایتی ہیں ان سب کو بلا لو،،(البقرۃ:23)

عرب قوم جنہیں اپنی فصاحت و بلاغت پر ناز تھا، خطابت و شاعری ان کی سرشت میں داخل تھی اور اپنے شعر و ادب اور فصاحت و بلاغت پر انہیں اتنا غرور تھا کہ وہ اپنے علاوہ تمام لوگوں کو عجم (گونگا) کہتے تھے لیکن قرآن پاک کے اس چیلنج کا وہ جواب نہ دے سکے، اس اعلان کے بعد ادباء و شعراء کی محفلوں میں سناٹا چھا گیا، ساری فصاحت و بلاغت اور شعر و شاعری دھری کی دھری رہ گئی، کسی میں یہ ہمت نہ رہی کہ وہ اس چیلنج کو قبول کرنے کے لئے آگے آئے، یہ قرآن کریم کی حقانیت اور اس کی صداقت کی دلیل اوراس کا اعجاز ہے، یہ ایسا کلام ہے جس کی نظیر پیش کرنا انسانی قدرت سے باہر ہے

قرآن مجید پوری انسانیت کے لئے اللہ تعالیٰ بہت بڑا انعام ہے، یہ وہ کتاب ہے جس کا دیکھنا، جس کا پڑھنا، جس کا سننا سنانا اور جس کا سیکھنا سکھانا دونوں جہاں کی عظیم سعادت ہے، قرآن سیکھنے سکھانے والے کو سب سے بہتر کہا گیا ہے، چونکہ قرآن کریم کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے اپنے سر لے رکھی ہے اس لئے اس کا بہترین انتظام کرر کھا ہے، ہر دور میں ایسے افراد پیدا کرتا رہے گا جو قرآن حکیم کی حفاظت و صیانت کے لئے اپنا سب کچھ قربان کردیں گے اور اس پر کسی طرح کوئی آنچ نہ آنے دیں گے۔

دنیا میں اگر کوئی کتاب سب سے زیادہ پڑھی پڑھائی اور سنی سنائی جاتی ہے تو وہ بلامبالغہ قرآن ہے، قرآن کریم کے جہاں بہت سارے معجزات ہیں وہیں ایک بہت بڑا معجزہ یہ

بھی ہے کہ اتنی ضخامت کے باوجود بڑی آسانی سے یاد ہو جاتا ہے اور تھوڑی سی کوشش سے یاد بھی رہتا ہے، قرآن کریم کے علاوہ کسی کتاب کی یہ خصوصیت نہیں ہے، کروڑوں مسلمانوں کے سینوں میں وہ محفوظ ہے چنانچہ آج بھی پورے وثوق اور دعوے کے ساتھ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ لوگ آج بھی اسی قرآن کی تلاوت کرتے ہیں جو حضرت جبرئیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے، اس کے ایک حرف ایک نقطے اور شوشے میں بھی کوئی تبدیلی نہیں ہوئی، یہ ایسی حقیقت ہے جسے منصف مزاج غیر مسلموں نے بھی تسلیم کیا ہے، عیسائی مورخ مسٹر باڈلے کہتے ہیں۔

,, قرآن ہی ایک ایسی کتاب ہے جس میں تیرہ سو (اور اب چودہ سو سال سے زیادہ) سے کوئی تبدیلی نہیں ہوئی، یہودی اور عیسائی مذہب میں کوئی ایسی چیز نہیں جو معمولی طور سے بھی قرآن کے مقابلے میں پیش کی جاسکے،،

مہاتما گاندھی نے اپنے خیال کا اظہار کچھ اس طرح کیا ہے۔

,, میں نے تعلیمات قرآنی کا مطالعہ کیا ہے، مجھے قرآن کو الہامی تسلیم کرنے میں ذرہ برابر تامل نہیں، مجھے اس کی سب سے بڑی خوبی یہ نظر آئی کہ وہ فطرت انسانی کے عین مطابق ہے،،

ڈاکٹر رابندر ناتھ ٹیگور نے کہا ہے۔

,, وہ وقت دور نہیں جب کہ قرآن کریم اپنی مسلمہ صداقتوں اور روحانی کرشموں سے سب کو اپنے اندر جذب کر لے گا،،

قرآن مجید کی حفاظت روز اول سے ہوتی آئی ہے اور ہوتی رہے گی، اس کے خلاف زبان درازی کرنے والے اور سازشیں رچنے والے منہ کی کھائیں گے اور برے انجام سے دوچار ہوں گے۔ ہمیں اس نکتے پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ ہمارا قرآن سے رشتہ کتنا مستحکم اور مضبوط ہے۔

مجلہ فیضان مصطفیٰ ایک تعارف

بقلم:- مفتی شرف الدین عظیم قاسمی

تحریر وقلم کی اہمیت ہر زمانے میں مسلم رہی ہے، دنیا میں افکار وخیالات کی ترسیلات کے لئے اس دور میں یقیناً متعدد اور تیز رفتار ذرائع ابلاغ موجود ہیں مگر باوجود اس کے تحریر کے قلمرو میں ذرا بھی فرق نہیں آیا ہے بلکہ اس کی حدود میں بدستور اضافہ ہورہا ہے، اس کی بڑی اور بنیادی وجہ یہ ہے کہ دیگر ذرائع ابلاغ کے مقابلے میں ہر چند یہ چیز برق رفتار نہیں مگر اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے کہ اس کی آواز دیر پا،اثر انگیز اور دلوں کی وادیوں میں انقلاب پیدا کرنے میں آج بھی یہ فائق ہے۔

اس کے ذریعے علوم کی اشاعت کے ساتھ ساتھ اس کی حفاظت بھی ہوتی ہے،تہذیب وتمدن اور اقدار وروایات کے ساتھ ساتھ افکار ونظریات اس کے باعث ہمیشہ کے لیے محفوظ ہوجاتے ہیں،

نسلاً بعد نسل اس کا فیضان جاری رہتا ہے، اس کی نافعیت زندہ رہتی ہے، اور قوموں کے اندر زندگی کی روح پیدا کرتی ہے۔

تحریر وقلم کی کائینات میں بہت سی اقسام ہیں جس میں صحافت کو بڑی اہمیت حاصل ہے،یہ صحافت کہیں رسالوں، کہیں مجلات ہفت نامے اور روز نامے کی شکل میں زبان کو زندہ رکھتی ہے،مذہب کی حفاظت کرتی ہے، اقدار وروایات اور تہذیب وتمدن سے آشنا کرتی ہے، ماضی کی تصویریں بنا کر دنیا کے سامنے پیش کرتی ہے۔

ملک میں بے شمار ماہنامے اپنے مقاصد کے تحت صحافت کے افق پر جلوہ افروز ہوتے

ہیں اور مختلف طبقات کے مخصوص نظریات کی نمائندگی کرتے ہیں،انہیں رسالوں میں ایک دوماہی رسالہ،فیضان مصطفیٰ، بھی ہے جو مشرقی یوپی کے ضلع مہراج گنج کی علمی،تمدنی اور ثقافتی ورثے کا ترجمان ہے،

کسی بھی رسالے،ماہنامے یا روزنامے کی زندگی اور مقبولیت کا راز یہ ہے کہ اس کی پشت پر علوم کے خزانے ہوں، قلم کی سلطنت ہو،

تحریر کا سرمایہ ہو، مشاہدات کی قوت ہو،اظہار بیان کی قدرت ہو،

شرح آروز کے علاوہ علوم و معارف کے اکتساب اور ان کی ترسیل وانتقال کی صلاحیت ہو،اور اسی کے ساتھ ساتھ اخلاص کی دولت ہو،اور یقین محکم، عمل پیہم اور جذبۂ جنوں کا اثاثہ ہو، باعث مسرت یہ امر کہ فیضان مصطفیٰ،،سے موسوم اس رسالے کو مذکورہ تمام عناصر حاصل ہیں، جو رفیقِ درس مولانا ابن الحسن صاحب قاسمی کی صورت میں اسے میسر ہے۔

مولانا ابن الحسن صاحب قاسمی کن صلاحیتوں کے مالک ہیں ان کی تفصیل میں جانے کا یہ موقع ہے نہ ہی ضرورت کہ یہ رسالہ ان کی علمی وادبی رسائی کے بارے میں خود بتائے گا،سردست ہم اس رسالے کے ظاہری وباطنی خوبیوں کی طرف قارئین کو متوجہ کرنا چاہتے ہیں،تاہم اتنی بات ضرور ہے کہ مولانا ابن الحسن صاحب کے ساتھ ساتھ علم وفضل کے نجم تاباں مولانا قمر الحسن صاحب قاسمی کی ادارت اس رسالے کی کامیابی کی ضامن ہے،

رسالے میں وہ تمام چیزیں موجود ہیں جس کی ایک قوم کو ضرورت ہوا کرتی ہے،مثلا اس کے مشمولات میں قابل قدر شخصیات کے سوانحی خاکے اور تذکرے بھی موجود ہیں اور

خطۂ گورکھپور ومہراج گنج اور ان کے مضافات کی علمی وتمدنی تاریخ بھی، فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تنویر بھی ہے اور قرآنی آیات کی روح پرور تفسیر کی روشنی میں رحمت خداوندی کی موسلادھار بارش کے مناظر بھی،
محسن کائینات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی انسانیت ساز مسیحائی ،عفو ودرگذر،اور حوصلہ شکن حالات میں آپ کے کریمانہ سلوک کے جلوے بھی ہیں اس کی روشنی میں موجود معاشرے کی افسوسناک تصویریں بھی ہیں اور ہجرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ایمان افروز روداد اور اس کی اسلام میں اہمیت وحیثیت پر مشتمل تعلیمات کے خزینے بھی۔۔
ظاہری اعتبار سے رسالہ تمام جمالیاتی رنگوں سے مزین ہے،سرورق بھی دیدہ زیب اور کتابت بھی صاف ستھری ہے،صرف 48/ صفحات پر محیط یہ رسالہ جید قلم کاروں کے متنوع مضامین کے باعث یقین ہے کہ صحافت کی دنیا میں اہم اور امتیازی مقام سے سرفراز ہوگا، ان شاءاللہ، خدا کرے اس کا فیضان سرحدوں سے بے نیاز ہو،اور ہواؤں کی طرح عام ہو، مصطفیٰ لائبریری گبرڑوا ضلع مہراج گنج سے اس کی کاپیاں ارزاں قیمت میں حاصل کی جاسکتی ہیں

شرف الدین عظیم قاسمی الاعظمی
مسجد انوار گوونڈی ممبئی
تاریخ 30/مارچ 2021بروز منگل

.... تو نیرو بانسری بجا رہا تھا

بقلم :- مولانا حفظ الرحمن اعظمی

مذہبی دنیا ___ خواہ وہ حضرت عیسی سے نسبت رکھتی ہو یا سبز ہلالی پرچم کے سائے تلے زندگی بسر کررہی ہو ___ اس وقت اس کے آسمان یقین پر الحاد و تشکیک کی گھنگھور گھٹائیں چھایا ہی چاہتی ہیں ، اعداد و شمار کی مانیں تو دنیا کی سولہ فیصد آبادی مذہب کو خیر آباد کہہ کر الحاد کی گود میں پرورش پارہی ہے ، یعنی اسلام اور عیسایت کے بعد الحاد و تشکیک تیسرا سب سے بڑا مذہب بن کر ابھر رہا ہے ، ایک سروے کے مطابق دور حاضر میں اسلام کے بعد الحاد سب سے تیزی سے پھیلنے والا نظریہ ہے جو نسل جدید کے ذہن و دماغ کو اپیل کررہا ہے ---

اور اگر پڑوسی ملک پاکستان کی بات کی جائے تو وہاں حالات اور بھی دگرگوں ہیں ،وہ اسلامی جمہوریت جہاں کبھی " لاالہ الا اللہ " کے جذباتی نعرے لگا کرتے تھے آج وہاں دس سے بیس فیصد آبادی اسی " لاالہ الا اللہ " سے بیزار و متنفر نظر آرہی ہے اور فیس بک ، یوٹیوب ، ٹویٹر اور سوشل میڈیا کے دیگر ذرائع سے جس جنگی پیمانے پر الحاد کی تبلیغ کی جارہی ہے اس سے صاف محسوس ہورہا ہے کہ آنے والے وقت میں یہ تعداد بڑھے گی ، بہت زیادہ بڑھے گی ------

مسئلہ یہ نہیں ہے کہ تقلید کرنا جائز ہے یا حرام --------------- مناظرے میں اہلحدیث کی جیت ہوئی یا دیوبندی کی ------------------------ مفتی طارق مسعود

لاجواب ہوئے یا دندان شکن جواب دیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ وہ مجلس مناظرے کی تھی یا دعوی، جواب دعوی کو سمجھنے کی ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اہلحدیث سرخرو ہوئے یا کامیابی نے مفتی طارق مسعود کے قدم چومے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ بات یہ ہے کہ دور حاضر کے تقاضے کے پیش نظر جو چیزیں ضمنا بھی زیر بحث نہیں آنی چاہیئے تھیں اسے ترجیحی مسئلہ بناکر آنے والے، بلکہ گھر کی دہلیز پر آچکے فتنے سے چشم پوشی کیوں کی جارہی ہے ۔۔۔۔۔۔۔۔

مفتی طارق مسعود اور پڑوسی ملک کے ان جیسے دیگر اکابرین جن کے لاکھوں فالوور ہیں انھیں اپنی ذمہ داریوں کو سمجھنا پڑے گا، اور فتنۂ الحاد کی بیخ کنی کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگانا ہوگا، غیر ضروری اور فضول بحثوں سے کلی اجتناب کرنا ہوگا، ورنہ بصورت دیگر کل کا مؤرخ جب پاکستان میں الحاد کے پھیلنے کا سبب لکھے گا تو وہ صرف یہی لکھے " روم جل رہا تھا اور نیرو بانسری بجارہا تھا "

حفظ الرحمن الاعظمی

25/03/2021

تعارف "تذکرہ مولانا معزالدین احمد گونڈوی "

بقلم :- مولانا ضیاء الحق خیرآبادی (حاجی بابو)

بسم للہ الرحمٰن الرحیم

نام کتاب: تذکرہ مولانا معزالدین احمد گونڈوی

مرتب: مولانا ڈاکٹر عبدالملک قاسمی (واٹس اپ:9911743199)

صفحات: ٨١٦

ناشر:الجمعیۃ بک ڈپو ، گلی قاسم جان ،بلی ماران، دہلی

قیمت:450/=

تبصرہ نگار : ضیاء الحق خیر آبادی (واٹس اپ ؛ 9235327576)

مولانا معزالدین صاحب گونڈوی ایک خاموش طبع، عزلت پسند لیکن حالاتِ زمانہ پر گہری نظر رکھنے والے ، صاحب مطالعہ وصاحب علم و تحقیق اور ایک پالیسی سازو صائب الرائے انسان تھے ۔ مولاناکی یکسوئی اور گوشہ نشینی کی وجہ سے ان کے محاسن وکمالات اور امتیازات وخصوصیات سے بس ان سے انتہائی قریبی تعلق رکھنے والے حضرات ہی واقف تھے ، جب تک وہ زندہ تھے عام طور سے لوگوں کو معلوم نہیں تھا کہ مولانا معزالدین صاحب کیا ہیں اور کس علمی حیثیت کے مالک ہیں؟ لیکن جب وہ اچانک ہم سے جدا ہوگئے اور ان کے قریبی احباب نے ان کے بارے میں اپنے تاثرات کوپیش کرنا شروع کیا تب لوگوں کو پتہ چلا کہ ہم نے کس غیر معمولی شخصیت کو کھودیا ہے۔ اس کے بعد

سے اس کا تقاضا شروع ہوا کہ مولانا مرحوم پر لکھے گئے تمام مضامین کو کتابی شکل میں شائع کر دیا جائے ۔اس کے لئے ابتدائی طور پر کچھ کوششیں بھی ہوئیں، لیکن کام تھوڑا سا ہو کر رک گیا ۔ اس کے بعد جب فقہی سیمینار کے انعقاد کے لئے میٹنگ ہوئی تو اس میں یہ فیصلہ ہوا کہ مولانا مرحوم .....جو اس فقہی سیمینار کے منتظم وذمہ دار تھے....کی سوانح وخدمات پر ایک مجموعۂ مضامین مرتب کیا جائے ۔ اس کام کے لئے ایک متحرک وفعال شخصیت ،ہمارے رفیق درس مولانا عبدالملک صاحب رسولپوری (اسسٹنٹ پروفیسر دہلی یونیورسٹی) کا انتخاب ہوا ، موصوف نے اپنے کارِ تدریس ، فقہی سیمینار کی ذمہ داریوں اور دیگر مصروفیات کے ساتھ ایک ماہ کی شبانہ روز محنت کے بعد ۸۱۶ صفحات پر مشتمل یہ ضخیم نمبر پریس کے حوالہ کردیا ،جس پر وہ مولانا مرحوم کے تمام متعلقین ومتوسلین کی طرف سے شکریئے اور دعاؤں کے مستحق ہیں ۔

مجلہ دو حصوں پر مشتمل ہے ، حصہ اول میں مولانا مرحوم پر لکھے گئے مقالات ، تاثرات ، تعزیتی پیغامات اور منظومات شامل ہیں ۔ حصہ دوم میں مولانا مرحوم کی نگارشات شامل ہیں ، جن میں‌ان کے قلم سے نکلے ہوئے علمی مضامین ، سوانحی تذکرے، تنظیمی رپورٹیں اور چند کتابچے ہیں ۔اخیر کے ۴۵ صفحات میں تعزیتی پیغامات کے عکس ، اخباری تراشے اور تعلیمی کوائف کے عکس کو شامل کیا گیا ہے۔

کتاب کے آغاز میں مولانا قاری محمد عثمان صاحب ،مولانا سید ارشد مدنی صاحب ، مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی اور مولانا محمود مدنی صاحب کے پیغامات وتاثرات ہیں ، جن میں ان بزرگوں نے مولانا مرحوم کے بارے میں بڑے بلیغ کلمات اور بلند خیالات کا اظہار فرمایا ہے ۔ اس کے بعد مولانا مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری کا پیش لفظ اور مرتب کا عرض مرتب ہے ، جس میں مرتب موصوف نے " داستان اس کتاب کی " تفصیل سے بیان کی ہے ، اور اپنے تمام معاونین اور بطور خاص مفتی محمد سلمان صاحب کا شکریہ ادا کیا ہے جن کی خصوصی

دلچسپی سے یہ کام ممکن ہو سکا۔

صفحہ ۲۸ سے مقالات کا آغاز ہوتا ہے ،اس میں کل ۱۹ مقالات ہیں ، پہلا مقالہ ملک کے نامور ادیب اور دارالعلوم دیوبند کے استاذ مولانا نور عالم صاحب خلیل امینی کا ہے ، جو ۱۱ صفحات پر مشتمل ہے ، جس میں مولانا موصوف نے اپنے مخصوص اُسلوبِ نگارش میں مولانا معزالدین صاحب کی خوبیوں اور کمالات کا ذکر کیا ہے ۔ دیگر مقالہ نگار حضرات میں مولانا مفتی محمد سلمان منصورپوری ، مفتی محمد عفان منصورپوری ، مولانا عبد الحمید نعمانی ، مفتی ریاست علی قاسمی ، مولانا عبد اللہ معروفی ، احقر ضیاء الحق خیر آبادی، مرتب مولاناعبدالملک رسول پوری، مولانا محمد شاہد اختر،مولانا محمد قاسم سعیدی ، مولانا محمد اللہ خلیلی ، مولانا نجیب اللہ قاسمی ، مولانا عظیم صدیقی ، مولانا اشرف علی قاسمی ، مفتی ذکات حسین قاسمی ، ڈاکٹر فاروق اعظم قاسمی ، مولانا عبد الباری قاسمی، مولانا محمد توصیف شاہ جہاں پوری اور مولانا ابو بکر منصورپوری ہیں ۔ان مقالات میں مولانا کی حیات کے مختلف گوشوں اور جہات پر اظہار خیال کیا گیا ہے ۔اس میں مولانا عبد الحمید نعمانی کے مضمون سے مولانا مرحوم کے ذوق ومزاج اور ان کے امتیازات وخصوصیات کا پتہ چلتا ہے ، کاش کہ مولانا نعمانی مزید تفصیل سے لکھتے ۔ مفتی محمد عفان صاحب کا مضمون بھی مولانا کی زندگی کے بہت سے گوشوں سے ہمیں واقف کراتا ہے۔مولانا عبد الملک صاحب نے اپنے مضمون " حیات مولانا معزالدین احمد گونڈوی " میں اجمالی طور پر مولانا کے تمام گوشہائے حیات پر گفتگو ہے اوران کا بہترین تعارف کرایا ہے، ۲۲ صفحات پر مشتمل یہ مضمون اس لائق ہے اسے الگ سے رسالہ کی شکل میں شائع کر دیا جائے۔مولانا کے برادر نسبتی مولانا محمد قاسم سعیدی نے اپنے مقالہ میں مولانا کے خانوادہ کا تفصیلی تعارف پیش کیا ہے۔ مولانا محمد اللہ خلیلی نے " مولانا معزالدین قاسمی اور دارالعلوم دیوبند " کے عنوان پر مقالہ لکھا ، جس میں دارالعلوم میں مولانا کی تعلیمی زندگی کی تفصیلات، معین المدرسی کا دور،

اور مدنی دارالمطالعہ وغیرہ کی سرگرمیوں کا تفصیلی ذکر ہے۔ مولانا نجیب للہ صاحب نے "مولانا معزالدین احمد اور جمعیۃ علماء ہند"۔مولانا عظیم للہ صدیقی نے" امارت شرعیہ ہند اور مولانا معزالدین احمد" اور مفتی ذکاوت حسین نے " ادارۃ المباحث الفقہیہ اور مولانا معزالدین احمد"کے عنوان پر مقالے لکھے ہیں ، جس سے ان تینوں اداروں سے مولانا کی وابستگی پر تفصیلی روشنی پڑتی ہے۔ مولانا مرحوم نے مدرسہ حسین بخش دہلی میں کئی سال تدریسی خدمات انجام دی ہیں ، اس پر مولانا محمد اشرف علی قاسمی کا مقالہ موجود ہے۔ مولانا معزالدین صاحب نے لکھا تو بہت کم ہے ، لیکن جو کچھ لکھا ہے خوب لکھا ہے ،وہ ایک بہترین نثر نگار تھے ، اس پر دو مقالے ہیں ، ایک ڈاکٹر فاروق اعظم قاسمی کا "مولانا معزالدین قاسمی بحیثیت تذکرہ نگار" اور دوسرا مولانا عبد الباری قاسمی کا مقالہ " مولانا معزالدین احمد کا اسلوب نگارش"۔

اس کے بعد " جذبات " کے عنوان سے ۱۴ تاثراتی مضامین ہیں ، یہ سب مولانا مرحوم کے خانوادے سے تعلق رکھنے والے حضرات کے ہیں ، جن میں ان کے والد ماجد ، ان کے سبھی برادران گرامی قدر، ان کی بیٹی ، بہن ، بھتیجی اور دیگر اعزا واقربا شامل ہیں۔

اس کے بعد " تاثرات" کے عنوان سے ۳۱ مضامین ہیں ، جن میں بیشتر مختصر اور چند ایک خاصے طویل ہیں۔لکھنے والوں میں مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی ،مولانا مجیب للہ صاحب گونڈوی، مولانا عتیق احمد بستوی ، ڈاکٹر مسعود احمد الاعظمی ،مولانا سالم جامعی جیسے حضرات شامل ہیں ، خود مرتب کا بھی ایک دلچسپ اور طویل مضمون اس میں شامل ہے، جس سے مولانا مرحوم کے عادات واطوار اور ان کے مجلسی احوال کا علم ہوتا ہے۔اس کے بعد تعزیتی پیغامات کا سلسلہ ہے ، جس میں ملک کی اہم شخصیات اور اداروں کے پیغامات ہیں ۔

اس کے بعد ۸ تعزیتی نظمیں ہیں ، جن میں چار تو مولانا کے بھائیوں کی ہی ہیں ۔باقی چار حضرات یہ ہیں : مولانا مودود احمد، مولانا محمد رحیق حنفی قاسمی ، مولانا رشید احمد قاسمی ، سید عزیزالرحمن عاجز۔

دوسرے حصہ میں صفحہ ۵۰۴ سے ۱۷۷ تک یعنی تقریباًپونے تین سو صفحات پر مولانا کی قلمی کاوشیں یعنی ان کے مضامین ومقالات وغیرہ ہیں ، جو مختلف رسائل وجرائد میں منتشر تھے ، اب اس مجموعہ کے ذریعہ وہ محفوظ ہوجائیں گے ۔

اخیر میں مرتب کے ذوق تحقیق نے تعزیتی پیغامات ودیگر معلومات کی اصل کے فوٹو بھی دیدئے ہیں جن کی آج تو شاید زیادہ اہمیت نہ محسوس ہو لیکن یہ بعد میں محققین کے لئے خاصے کام کی چیز ثابت ہوں گے۔

یہ ہے اس مجموعہ کا ایک مختصر تعارف اور سرسری جائزہ! تاکہ ایک نظر میں قاری مجموعہ کے مشمولات ومحتویات سے باخبر ہوجائے ، باقی اس کا تفصیلی تعارف وتنقیدی جائزہ بعد میں اہل نظر لیتے رہیں گے ۔ جیسا کہ میں نے ابتداء میں لکھا کہ مصروفیات کے ہجوم اور نہایت مختصر وقت میں یہ مجموعہ ترتیب دیا گیا ہے اس لئے اس میں خامیوں اور کمیوں کا راہ پانا حیرت انگیز نہیں ہے ، کتابت کی ڈھیر ساری غلطیاں رہ گئی ہیں ، اسی طرح مولانا مرحوم کی تاریخ ولادت کہیں ۱۹۶۱ء لکھی ہے تو کہیں ۱۹۶۳ء ، جس کو جیسا علم ہوا لکھ دیا ،طبع ثانی میں اس کو درست کرلینا چاہئے ۔ مولانا مرحوم کے والد محترم کی فراغت نور العلوم بہرائچ سے ہے ، جیسا کہ انھوں نے خود مجھ سے بیان کیا ہے ، ایک مضمون میں ان کو فاضل دارالعلوم لکھا گیا ہے ، اور دورۂ حدیث کے اساتذہ میں مولانا سید فخر الدین صاحب وغیرہ کو بتایا گیا ہے، جو کہ خلافِ واقعہ ہے۔

یہ جو کچھ پیش کیا گیا، نقش اول ہے ،لیکن انتہائی بنیادی کام ہے ، اب آگے مولانا مرحوم پر جو کچھ بھی کام ہو گا اس کی اساس وبنیاد یہی مجموعہ مضامین ہو گا ، اس کی ترتیب واشاعت پر مرتب موصوف کو ڈھیر ساری مبارکباد ہے ۔ ہمیں یقین ہے کہ ہمارے فاضل دوست " نقاش نقش ثانی بہتر کشد زاول " کا مصداق بنتے ہوئے طبع ثانی کے موقع پر مذکورہ تمام باتوں کا خیال رکھتے ہوئے اس مجموعہ کو خوب سے خوب تر بناکر پیش کریں گے۔ کتاب ابھی پریس میں ہے ، مرتب چونکہ خود طباعت کے کام سے منسلک ہیں اس لئے حسن ظن کیا یقین ہے کہ کتاب دیدہ زیب طباعت کے ساتھ منظر عام پر آئے گی۔

پردھانی اور ہم

بقلم :- مولانا شفیع اللہ اعظمی قاسمی

صوبہ اترپردیش میں پردھانی کا الیکشن قریب ہے، لیکن دیکھا جائے تو اس میدان میں اترنے والوں کی اکثریت سوچ و فکر سے غریب ہے، ہمارا خانہ دل و دماغ اس فکر سے خالی ہے کہ یہ خدمت کا ذریعہ ہے اور خدمت خلق سے خدا ملتا ہے،مجھے ہمیشہ کیوں یہ محسوس ہوتا ہے کہ گاؤں کی سطح پر اگر ہم محنت کئے ہوتے تو ہمارے غیر مسلم بھائی بھی آج سنگھی ٹولیوں سے متاثر ہو کر ہمارے خلاف کھڑے نہین ہوتے، گاؤں ہمارے لئے فصیل تھا جس کے ٹوٹنے سے مسلم غیر مسلم کے رشتوں میں بھی دراڑ پڑ چکی ہے، پھر گاؤں کا پردھان مکھیا ہوتا ہے اور مکھیا کو اپنی ذمہ داری کا احساس ہونا چاہئیے کہ گاؤں میں جو بھی مسلم غیر مسلم بستے ہیں سب کا وہ مسؤول ہے اور ذمہ دار سے اس کے ماتحتوں کے بارے میں یوم آخرت سوال ہوگا تو کیا ان ماتحتوں کے حقوق کے متعلق جواب بن پڑے گا، ہم نے گاؤں کی سطح پر بحیثیت مسلمان کبھی اپنی چھاپ نہین چھوڑا ہے الا ماشاء اللہ، ہم یہ تاثر دینے میں کبھی کامیاب ہو ہی نہیں سکے کہ مسلمان بد کردار، بد اخلاق، خائن، جھوٹا نہیں ہوسکتا ہے، بلکہ وہ تو معصوموں بیواوں یتیموں غریبوں، مسکینوں کا مسیحا و ہمدرد سچا، امانتدار وعدہ وفا کرنے والا ہوتا ہے، ابھی بھی وقت ہے جو مسلمان بھی اس الیکشن میں جیتے بقول ایک مفتی صاحب کہ یہ کام صحیح نیت کے ساتھ بہت ہی نفع بخش کام ہے اور بدنیتی کے ساتھ اس کام پر قیامت کے دن کس کس کا جواب دیتا پھرے گا، اس لئے ہوش کے ناخن لیجئے اور اسے خدمت خلق کا ذریعہ بنایئے ہندو مسلم کے بیچ جو خلیج حائل ہورہی اسے رواداری سے بھر دیجئے.اور اسلام کا بول بالا کیجئے ...

اللہ تعالی صحیح سوچ و سمجھ عطا فرمائے آمین

مَغرِبی اَور اِسلَامِی تَہذِیبُ وَ تَمدّن مِیں فَرق

بقلم :- مولانا عبد الماجد بھیروی

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مذہبِ اسلام دنیا کا وہ واحد مذہب ہے جو اپنی جامعیت کے اعتبار سے بے نظیر اور بے مثال ہے جو لازوال اور باکمال ہے اور تمام مذاہب میں ممتاز اور منفرد ہے جس میں حیاتِ انسانی کے تمام قوانین کو مکمل طور پر بیان کیا گیا ہے زندگی کا کوئی ایسا مرحلہ نہیں جسمیں اسلامی دستور ہماری رہنمائی نہ کرتا ہو، زندگی کا کوئی ایسا گوشہ نہیں جسمیں اسلامی دستور ہماری دستگیری نہ کرتا ہو، زندگی کا کوئی ایسا مسئلہ نہیں جسمیں قرآن ہماری قیادت نہ کرتا ہو، زندگی کی کوئی ایسی منزل نہیں جسمیں شریعتِ محمدی ﷺ دم توڑدیتی ہو بلکہ ہر جگہ ہر وقت رہنمائی کرتی ملے گی

اسلام ہی وہ ایسا واحد مذہب ہے جس نے دنیا کو تہذیب و تمدن کا درس دے کر انسانیت کا پیغام دیا جینے کا سلیقہ اور معاشرت کا طرز بتایا کہ بڑے بڑے دانشورانِ قوم کو اسلام کے در پر ماتھا ٹیکنے پر مجبور ہونا پڑا، اسلامی تہذیب و تمدن کا مرکز و ماخذ اللہ تعالیٰ کی ذات اور قرآن و حدیث ہے جبکہ اس کے بالمقابل مغربی تہذیب و تمدن ہے اس کا مرکز و ماخذ مادیت پرستی اور یونانی تہذیب و تمدن کا مرکب ہے۔

جب ہم مغربی تہذیب و تمدن کو سوچتے ہیں تو فوراً تصورات میں متمدن دنیا کی بے مثال ترقیات کا نقشہ گھومنے لگتا ہے سائنس کے عجیب و غریب کارنامے ہماری نظروں کے سامنے آنے لگتے ہیں اور زندگی اپنی تمام تر رعنائیوں، زیبائیوں، آسائشوں اور سہولتوں کے ساتھ ہمارے سامنے مسکرانے لگتی ہے گویا کہنے لگتی ہے کہ میں دورِ حاضر کا

جدید تمدن ہوں جس نے دنیا کو اپنا گرویدہ بنالیا آج کا انسان میرے بغیر زندگی نہیں گذارسکتا میں نے انسانوں کو اتنی کامیابیاں اور اتنی سہولتوں سے نواز رکھا ہے کہ ایک انسان ایک لمحہ کیلیے مجھ سے جدا نہیں ہوسکتا اس کی فریفتگی کا یہ حال ہے کہ اپنے عقائدو نظریات کو بھی قربان کردیتا ہے

مغربی تہذیب و تمدن دورِ حاضر کا وہ تمدن اور وہ تہذیب ہے کہ جس کا طوطیٰ چہار دانگِ عالم میں بولتا ہے مغربی تہذیب و تمدن کی سب سے بڑی حریف و مخالف اسلامی تہذیب و تمدن ہے دونوں تہذیبوں میں دونوں تمدنوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے دونوں میں بڑا تضاد اور تفاوت ہے

اسلامی تہذیب و تمدن کا محور و مرکز خداتعالیٰ کی ذات اور قرآن و حدیث ہے جبکہ مغربی تہذیب و تمدن کی اساس مادیت پرستی ہے فرائیڈ، ڈارون، اڈلر وغیرہ کے نظریات اور یونانی تہذیب و تمدن کا مرکز ہے

ڈارون انسان کو بندر کی ترقی یافتہ نسل مانتا ہے اور فرائیڈ انسان کو جنسی شہوانی خواہشات کا پیکر قرار دیتا ہے

اسی اعتبار سے مغربی تہذیب و تمدن انسانوں کی ترقی کی راہ متعین کرتا ہے مغرب نے فرائیڈ کے نظریات کو سامنے رکھ کر تمام اخلاقی روحانی دینی قدروں سے آزاد کردیا ہے اور اس کو خواہشاتِ نفسانی کی تکمیل کیلیے کھلی اجازت دےدی وہ جس طرح چاہے اپنی خواہشات کو پورا کرسکتا ہے مرد و زن کے اختلاط کو ضروری قرار دیتا ہے جس کے نتیجے میں مرد و زن کے درمیان جنسی تعلقات کا رشتہ ہوسکتا ہے باقی اور کوئی رشتہ کوئی معنیٰ نہیں رکھتا انسان جس طرح چاہے اپنی خواہشات پوری کرسکتا ہے

مغربی تہذیب و تمدن نے ڈارون کے نظریات کو سامنے رکھ کر انسان کی ظاہری ترقی پر زور دیاہے اور مادیت پرستی کو اصلی ترقی مانتا ہے روحانی زندگی کو بنانے اور سنوارنے پر اس کی کوئی توجہ نہیں ہے لہٰذا مغربی تہذیب و تمدن میں عریانیت ، بےحیائی ، عیاشی ، مکاری اور شہوت رانی کوئی معیوب شئی نہیں ہے بلکہ یہ سب انسانی زندگی میں خوشی و مسرت اور طرب و نشاط کا ذریعہ ہیں ، سود ، ذخیرہ اندوزی ، جوا ، چوری ڈکیتی وغیرہ مادی ترقی کا سامان اور ذریعہ ہے کوئی بھی انسان اپنی مادی ترقی کیلیے کچھ بھی کرسکتا ہے انسان کی مطلق آزادی نے اقتصادی تجارتی جنسی شہوانی نفسانی اخلاقی ہر اعتبار سے انسان کو بےراہ بنادیا ہے

مغربی تہذیب و تمدن کے دلدادہ اپنی جنسی خواہشات کی تکمیل کیلیے کیا کیا حرکتیں کرسکتے ہیں کچھ کہا نہیں جاسکتا ہے مغربی تہذیب و تمدن نے سب سے زیادہ بدکاری اور زناکاری کو فروغ دیا ہے عریانیت اپنی حد پار کرگئی ہے بےحیائی اپنے عروج پر پہنچ گئی ہے جرائم کی کوئی حد نہیں ہے بس ہر ایک کو فکر ہے کہ اپنا نفع حاصل کرو چاہے جیسے بھی ہو مادیت پرستی کے جذبے نے ایمان و عقیدے کو سب سے زیادہ مجروح کیا ہے مغربی تمدن نے تن آسانی کے تمام وسائل فراہم کیے ہیں مگر روح کا علاج اس کے پاس نہیں ہے جبکہ انسان کی حقیقت اس کی روح کی پاکیزگی ہے ایک انسان کہ اس کی روح مجروح ہو وہ کیسے خوش رہ سکتا ہے نتیجہ کے طور پر یورپ کی نئی نسلیں روحانی سکون کو ترس رہی ہیں ذہنی بے چینی اور فکری اضطراب نے باہمی تعلقات کو برباد کردیا ہے مغربی تہذیب و تمدن کے فریب خوردہ افراد ذہنی سکون حاصل کرنے کیلیے شراب و منشیات کا سہارا لیتے ہیں عورتوں کی آزادی کا نعرہ بلند کرکے اس کو اپنی فطرت سے بغاوت پر آمادہ کردیا ہے

اس کو بے پردہ کرکے اس کی شرم و حیا اور اس کی عزت و عظمت کو ملیا میٹ کردیا ہے
جس کے نتیجے میں روحانی سکون اور گھروں کا سکون باقی نہیں رہا
برخلاف اسلامی تہذیب و تمدن کے کہ اس کا مرکز و ماخذ اللہ تعالیٰ کی ذات اور قرآن
وحدیث ہے ۔ اس نے انسان کو حیوانیت کی زندگی سے نکال کر انسانیت کی دولت سے
سرفراز کیا انسان کے اندر روح کی پاکیزگی اور آخرت کی فکر و محاسبہ کا خوف پیدا کرکے
اسکو برائیوں سے نجات دلایا ماں باپ بھائی بہن بیوی کے مقام و مرتبہ سے آگاہ کرکے
اس کو بےحیائی بدکاری زناکاری اور بےشرمی سے دور کیا اخوت و محبت اور بھائی چارگی کا
درس دے کر عصبیت ، نسلی امتیاز اور قومی تفاخر کو دور کیا جوکہ تمام اختلافات کی جڑ ہے
اسلامی تمدن نے انسان کی روحانی زندگی کو پاکیزہ بنانے کی فکر کی اس کے سکونِ قلب کیلیے
علاج تجویز کیا بغاوت سرکشی زناکاری بدکاری چوری ڈکیتی جوا وغیرہ کو انسانی فطرت کے
خلاف بتاکر اس کی سزا مقرر کی آخرت کی زندگی کو اصلی زندگی بتاکر اس کو بنانے اور
سنوارنے کی ترغیب دی
حاصل یہ ہوا کہ اسلامی تہذیب و تمدن نے انسان کو روحانی زندگی اور روحانی سکون دیا
انسان کو اس کی فطرت پر جماکر اس کو اپنے مالک سے قریب کیا اور مغربی تہذیب و
تمدن نے انسان کو مادیت پرستی میں مبتلاِ کرکے اور انسان کو اس کی فطرت سے ہٹاکر خدا
کا باغی بناکر گمراہوں کی راہ پر چلادیا۔